FEBRUARY - 2020

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

فروری ۲۰۲۰ء رجب المرجب ۱۴۴۱ھ

بھارت کا مظلومانہ سفر

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندی مسلمانو!

آسام میں این آرسی کے مضر اثرات

جمہوریت: آغاز وارتقا اور طرز حکومت

حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمہ
حیات وخدمات

20/-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

PAIGAM E SHARIAT
Monthly

JAN-FEB 2020 — شمارہ = ۴۱ — جلد ۵ — جمادی الاولی وجمادی الاخری ۱۴۴۱ھ

ایک شمارہ کی قیمت 20 روپے، سالانہ زرتعاون 200 روپے، بیرون ممالک کے لئے 50 ڈالر، خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد کمیل امجدی نے مونی پرنٹنگ پریس 3622 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "پیغام شریعت" 422، فسٹ فلور، گلی مٹیا محل جامع مسجد دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل وزر کا پتہ

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No.422 1st Floor Gali Matia
Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob 8090753792
Email:Paighameshariat@gmail.com
Axis Bank: A/c Name:Mohd Kumail
A/c No: 918010034188407 IFSC Code UTIB0000279

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکتبہ رضائے مصطفیٰ دہلی
مکان نمبر ۴۲۲ پہلی منزل گلی مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۔ ۶

فہرست مضامین

﴿نوٹ﴾

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی کورٹ میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

ملک وقوم کے لیے فیصلہ کن گھڑی

تحریر: مفتی فیضان المصطفیٰ قادری (گھوسی)

پوری دنیا میں عموماً اور بھارت میں خصوصاً مسلم قوم مجموعی حیثیت سے اپنے زوال کے بدترین دور سے گزر رہی ہے۔ ایک عرصے سے مخالفین ہمارے خلاف سازشوں کے جال بچھاتے، منصوبے بناتے اور پوری دل جمعی کے ساتھ ان پر عمل کرتے رہے ہیں، اور اب منصوبہ سازی کرتے کرتے قانون سازی تک پہنچ گئے۔ انتہاپسندی عروج پر پہنچادی گئی ہے، مختلف عنوانات سے بھارتی شہریوں کو مذہب ونسل کی بنیاد پر بانٹا جاچکا ہے۔

مسلم حکمرانوں نے بھارتی قوم پر آٹھ سو سال حکومت کی، اور اس دوران انھوں نے اسلامی تہذیب اور تمدن کے گہرے نشانات چھوڑے، شاندار مسجدیں اور محلات بنائے، انگریزوں نے یہ سجاسجایا ملک مسلمانوں سے چھین لیا اور ایک طویل عرصے تک برطانیہ کی کالونی بناکر اس پر حکومت کی۔ جب ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا، ملک کے ایک شدت پسند گروپ کو یہ فکر ستانے لگی کہ اس ملک پر پھر کہیں مسلمان حکمراں مسلط نہ ہو جائیں، یہی فکر تقسیم ہند کی تمہید بنی، جس کے نتیجے میں ہندو اور مسلمان کے مابین نفرت کو ہوا دی گئی۔

ہندتو کے ٹھیکیداروں کے کان میں ابلیس کے چیلوں نے پھونک ماردی کہ مسلم حکمرانوں کے دور میں مندر توڑ کر مسجدیں بنائی گئیں، بس کھلے دل سے اس پر ایمان لے آئے، اور اپنی جاہل عوام کو مسلمانوں کے خلاف ورغلانا شروع کیا، اور ان کے دماغ میں مسلم مخالف جذبات بھردیے، واضح اکثریت کے ساتھ بی جے پی کے اقتدار پر قابض ہونے کے بعد شدت پسندوں کے حوصلے آسمان کو چھونے لگے جس کے نتیجے میں ماب لنچنگ کے بیشمار واقعات رونما ہوئے، مسجدوں میں داخل ہو کر توڑ پھوڑ کیا گیا۔ مسلمانوں پر ظلم ہوتا رہا اور انتظامیہ خاموش تماشائی بنی رہی، اب قانون سازی کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

طلاق بل کے ذریعہ یہ دکھانے کی کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت کی جاسکتی ہے۔ این آرسی کے ذریعہ مسلمانوں سے ان کے شہری حقوق چھین کر انھیں ان کی جائیداد سے بے دخل کرنا اور حق رائے دہی سے محروم کرنے کا پورا روڈ میپ تیار کرلیا گیا ہے، جس کا تتمہ شہریت ترمیمی ایکٹ ہے۔ پردے کے پیچھے چل رہی کہانی سب پر ظاہر ہوگئی۔ پانی سر سے اونچا ہو چکا اور ملک گیر احتجاج کا سلسلہ چل پڑا۔ جمہور کی رائے اور ناراضگی معلوم ہونے کے باوجود حکومت کی ضد اور ہٹ دھرمی کا عالم یہ ہے کہ نہ صرف اپنے اڑیل رویے پر قائم ہے، بلکہ پرامن احتجاج پر پابندی لگائی گئی۔ احتجاج کرنے والوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ملک کی مختلف ریاستوں میں کئی جانیں ضائع ہوئیں، انتظامیہ کی ان حرکتوں پر پوری قوم سراپا احتجاج ہے۔

ہم مسلمانانِ ہند بڑے سادہ لوح واقع ہوئے ہیں۔ بہت دیر سے بیدار ہوتے ہیں، جب دشمن اپنا کام کر چکا ہوتا ہے۔ آرایس ایس، وشو ہندو پریشد جیسی شدت پسند تنظیموں کی مسلم مخالف سرگرمیوں پر کبھی دھیان نہ دیا، ان کے مقابل کبھی بیداری کا مظاہرہ نہ کیا، اپنے داخلی امور میں مگن رہے یا پھر خواب خرگوش کے مزے لوٹا کیے۔ اب جب کہ مسلمانوں کے خلاف پورا اسٹیبلشمنٹ تیار کیا جاچکا ہے، ہمارا انتشار اور

بے مائیگی دیدنی ہے۔اسلام کا تو اللہ حافظ وناصر ہے، اسے قیامت تک باقی رہنا ہے، رہے گا۔مسئلہ بھارتی مسلمانوں کا ہے۔مسلمان اجتماعیت اور پوری قوت کے ساتھ اپنے وجود کا احساس نہ دلا سکے تو کہیں کے نہ رہیں گے۔اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لیے کوئی اور نسل پیدا فرما دے گا، بقول شاعر مشرق:

جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں　　اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

بی جے پی کے اکثریت کے ساتھ اقتدار میں آنے کے بعد سے مسلمانوں کے خلاف جو متنوع اقدامات کیے گئے، اس پوری سیریز میں مسلمانوں کی مذہبی قیادت پر اعتماد کو سب سے زیادہ ٹھیس پہنچی ہے۔ ہماری قوم کا حال یہ ہے کہ جس سے دل لگاتی ہے، پورے طور پر دل لگا لیتی ہے۔اس دور میں عملی طور پر سیاست اور مذہب دو مستقل اور الگ الگ میدانِ عمل ہیں، لہٰذا مذہبی قائدین سے مذہبی امور میں ہی آس لگائی جائے تو بہتر ہے۔اگر وہ سیاسی امور میں رہنمائی نہ کر سکیں یا نہ کرنا چاہیں تو اپنے دانشور طبقے کو سیاسی میدان کی قیادت سنبھالنی چاہیے۔ مذہبی قائدین کے علاوہ باقی اشرافیہ یہ نہ کریں گے تو کیا کریں گے۔ اتنا ہم نے اپنے علمائے کرام سے بدظن ہونے والوں کی فہمائش کے طور پر عرض کیا، ورنہ ظاہر ہے ایسے مواقع پر صدائے احتجاج بلند کرنا اور جو بن پڑے کرنا وقت کا جبری تقاضا ہے، لہٰذا مذہبی قائدین ایسے وقت میں صدائے احتجاج بھی بلند نہ کر سکیں تو ان کی خاموشی قوم کو تشویش میں مبتلا تو کرے گی۔

ہمارے سب سے بڑے قائد محسن انسانیت پیغمبر اسلام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی پوری زندگی کا مستند ریکارڈ موجود ہے۔اس ریکارڈ کی موجودگی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی سیرت پاک سے ہم قیادت کا ہنر سیکھ سکیں تو ہمیں کسی اور قائد کی ضرورت نہیں ہوگی۔ان کی قیادت عالمی تاریخ کی سب سے کامیاب ترین قیادت اسی لیے رہی کہ وہ ہمہ جہت اور ہمہ گیر تھی، اس کا دائرۂ کار زندگی کے کسی ایک شعبے تک محدود نہ تھا، بلکہ تمام شعبوں کو محیط تھا۔وہ نماز روزے کے مسائل بھی بتاتے تھے، اور میدان جہاد میں بہ نفس نفیس صف بندی بھی کرتے تھے، معاشیات کو بھی کنٹرول کرتے تھے اور سماجی فلاح و بہبود کی تدبیر بھی فرماتے تھے۔

اپنے خانگی امور سے لے کر مسلمانوں کے عائلی معاملات پر بھی نظر رکھتے تھے اور بیرونی قوتوں کو بھی ہینڈل کرتے تھے۔زندگی کا کوئی ایسی گوشہ نہیں ہے جس کے متعلق اقوال واعمال کی روشنی میں ان کی طرف سے رہنمائی موجود نہ ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو قیادت کے سارے جوہر عطا کر دیے تھے۔انھوں نے سخت مشکل حالات میں کامیاب ترین قیادت کا نمونہ پیش کیا۔اپنے ماننے والوں کو قیادت کا ہنر دیا، اور دنیا کو قائدین کی ایک بہت بڑی جماعت عطا فرمائی، جو چند سالوں کے اندر اسلام کو دنیا کے کناروں تک لے گئی: (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین)

ہمارے آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے ہمیں ہمہ وقت ایک جماعت کے طور پر رہنے کا درس دیا۔دو چار لوگ بھی جمع ہوں تو ایک کو امیر بنا لینے کی ترغیب دی۔امیر قوم کو اپنی قوم کا ہمدرد اور ذمہ دار بنایا، اور قوم کو اپنے امیر کا تابعدار اور فرماں بردار رہنے کی تلقین کی۔قوم پر اپنے امیر کی اطاعت واجب فرمائی، اور امرا پر رعیت کی مسئولیت ڈال دی، پھر سب کو من جملہ فرمایا کہ ''دین نصح وخیر خواہی کا نام ہے''۔ پوچھا گیا: کس کی خیر خواہی؟ فرمایا، اللہ ورسول کی، مسلمانوں کے قائدین اور عامۃ المسلمین کی خیر خواہی۔اس خیر خواہی میں کسی کی تخصیص نہیں، بلکہ اس میں سب شامل ہیں۔ہم بھارتی مسلمان اپنے آقا ومولا علیہ الصلاۃ والسلام کے بتائے ہوئے انھیں دو چار رہنما اصول کو اختیار کر لیں اور اپنی زندگی میں برت لیں تو اب بھی دنیا کی سب سے کامیاب اور طاقت ور قوم بن سکتے ہیں۔

انگریزوں کے تسلط کے دور میں مجاہد آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی نے ہر اس جہت سے بھارتی مسلمانوں کی قیادت فرمائی جیسی جیسی ضرورت پڑتی گئی۔ان کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھارتی مسلمانوں کے دینی ومذہبی امور میں مکمل علمی

کفالت کی، اور دیگر امور میں اپنے خلفا اور تلامذہ کو ہر کام کے لیے تیار کر دیا، جنھوں نے ملک کے طول وعرض میں ہر محاذ پر کام کیا۔ ان کے بعد ماضی قریب میں دو شخصیتیں ایسی گزری ہیں جو وقت کی آواز تھیں، یعنی حضور مجاہد ملت اور حضرت علامہ ارشد القادری علیہما الرحمہ۔ گزشتہ پانچ سالوں سے ملک کے جو حالات ہیں، ان میں ان دو شخصیتوں کی یاد بہت آتی ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے اندر قوم کو کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دینے کا ہنر موجود تھا، جس کی اس دور میں شدید ضرورت ہے۔

حضور مجاہد ملت کے عہد میں اجمیر شریف میں عرس خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقع پر اکابر علمائے اہل سنت کی ایک نشست کا اہتمام کیا گیا۔ حضور مجاہد ملت بھی شریک تھے۔ موضوع بحث یہ تھا کہ تمام سنی تنظیموں کو ایک ہی تنظیم میں ضم کر دیا جائے یا نہیں؟

اکثر علمائے کرام نے اس کی تائید کی، لیکن حضور مجاہد ملت غیر مشروط طور پر اس کے لیے راضی نہ ہوئے، بلکہ ایک شرط کے ساتھ راضی ہوئے۔ فرمایا: تمام سنی جماعتوں کو توڑ کر ایک ہی جماعت بنا دیجیے، مجھے منظور ہے۔ کہیں بھی اس کا مرکز رکھیے، مجھے منظور ہے۔ جماعت کا نام کچھ بھی رکھیے، مجھے منظور ہے۔ اس کا صدر کسی کو بنا دیجیے، مجھے منظور ہے، لیکن میری ایک شرط ہے۔ اگر آپ حضرات اسے ماننے کے لیے تیار نہ ہوں گے تو میری جماعت (آل انڈیا تبلیغ سیرت تحریک خاکسارانِ حق) الگ رہے گی۔ پوچھا گیا: وہ کیا شرط ہے؟ فرمایا: آپ لوگ تنظیموں کے جلسوں میں دیوبندیہ، غیر مقلدین وغیرہ بدمذہبوں کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں، میری شرط یہ ہے کہ اس کے اجلاس میں ان بدمذہبوں کے خلاف آواز بلند کرنے کے ساتھ ساتھ مظالم حکومت کے خلاف بھی آواز بلند کریں گے۔ مجاہد ملت کی اس شرط پر یہ تجویز سرد پڑ گئی۔ (مرد جوزاء مجاہد ملت صفحہ ۳۵۸، ۳۵۹)

یہ پورا واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے اندر جس طرح باطل فرقوں کے خلاف حمایت حق کا جذبہ کارفرما ہے، ظالم حکومتوں اور خارجی دشمنوں کے خلاف آوازۂ حق بلند کرنے کا وہی جذبہ نہیں پایا جاتا۔ مجاہد ملت کی اسی فکر نے انھیں مجاہد ملتِ اسلامیہ بنایا۔ مجاہد ملت کو ظالم حکمرانوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی پاداش میں کئی بار جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالا گیا، اور انھیں جیلوں میں اذیتیں دی گئیں، مگر اس مرد جری نے حکومتِ وقت کی غلط پالیسیوں یا ناجائز اقدامات پر کبھی خاموشی اختیار نہیں کی۔ آج نوجوانوں کو ضرورت ہے کہ مجاہد ملت کی سیرت کا مطالعہ کر کے اس میں اپنے لیے جرأتِ عمل اور طریقۂ کار تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

اس سال عرس مجاہد ملت میں دھام نگر شریف حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ عرس کے جلسے میں خطاب کا موقع ملا۔ ہم نے اپنے خطاب میں حضور مجاہد ملت کی ''تحریک خاکسارانِ حق'' کو اس دور کی ضرورت قرار دیتے ہوئے اِس کے احیائے نو کی پرزور اپیل کی۔ اس تحریک کی موجودگی میں ہمیں کسی اور ٹیم کو ترتیب دینے کی ضرورت نہیں، بلکہ اسی کو از سرِ نو استوار کیا جائے تو اس سے قدیم وجدید وابستہ افراد کی تعداد ہزاروں سے لاکھوں تک پہنچانے میں دیر نہ لگے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو: (آمین)

زیر نظر شمارے میں ملکی حالات پر مختلف جہتوں سے مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اگلے صفحات میں ایسے بہت سے اقتباسات ملیں گے جن کو پڑھ کر قاری کی زندگی میں انقلاب آسکتا ہے۔ بغور مطالعہ کریں، دوسروں تک پہنچائیں اور اپنی رائے سے نوازیں۔

حضرت مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی رحلت: ایک عہد کا خاتمہ

اس دور کے بزرگ عالم دین حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ نے گزشتہ ماہ رحلت فرمائی، جس کا صدمہ ملک اور بیرونِ ملک کے تمام سنی مسلمانوں کو ہوا۔ حضرت کی ذات گرامی سنیوں میں مرجع علما کی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ مسلک اعلیٰ حضرت کے عظیم نقیب تھے، اور اصول وفروع میں تعلیماتِ رضا پر ثابت قدم تھے۔ آپ کی درس گاہ کی شان نرالی ہوا کرتی تھی۔ اپنے تلامذہ کے دل ودماغ کو رضویت سے

معمور کرنے کی کوشش کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی درس گاہ کے پروردہ لوگوں میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ القوی سے والہانہ لگاؤ پایا جاتا ہے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سالانہ امتحان میں ممتحن کی حیثیت سے مستقل تشریف لاتے تھے، بیضاوی شریف کا ہمارا امتحان حضرت ہی نے لیا۔ طلبہ پر آپ کا علمی رعب ہوا کرتا تھا، اور آواز کی گھن گرج سے یہ علمی رعب دو بالا ہو جاتا تھا۔

بریلی شریف کے فقہی سیمینار میں بارہا حضرت سے ملاقات اور صحبت رہی، تب آپ کی بے تکلف اور کرم فرما طبیعت سے آشنائی ہوئی۔ مصنف اعظم نمبر کی ترتیب کے دوران امریکہ سے ہم نے رابطہ کیا اور فون پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ رضویات پر کام سے بہت خوش ہوتے اور خوب دعائیں دیتے۔ مصنف اعظم نمبر کے لیے آپ نے خود اپنے قلم سے اپنی تاثراتی تحریر ہمیں عطا فرمائی، جو اُس مجموعے کی زینت بنی۔ آپ کے ہزاروں شاگرد بھارت اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔

شرح ہدایۃ الحکمۃ فلسفے کی مشکل ترین کتاب مانی جاتی ہے جو اَب تک حاشیہ سے معریٰ تھی۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے ان کے تلامذہ نے جب حاشیہ لکھنے کی فرمائش کی تھی تو آپ نے دو کتابوں (شرح ہدایۃ الحکمۃ اور شرح معانی الآثار) کا ذکر کیا کہ یہ دونوں کتابیں مشکل ترین ہیں اور حاشیہ سے خالی، ان پر حاشیہ کی ضرورت ہے، پھر اپنے لیے خدمتِ حدیث کو ترجیح دیتے ہوئے شرح معانی الآثار پر تحشیہ فرمایا۔ اس طویل عرصے کے بعد بھی شرح ہدایۃ الحکمۃ حاشیہ سے معریٰ ہی رہی، یہاں تک کہ یہ کام جو اِس دور کے معقولات کے ماہر حضرت مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے ہاتھوں سے ہونا مقدر تھا، انھیں سے انجام پایا، جو مجلس برکات مبارک پور سے شائع ہوا۔

آپ درس نظامی کے تمام مضامین پر پورا کنٹرول رکھتے تھے، لیکن معقولات میں مہارت کی شہرت تھی۔ معقولات میں مہارت کا طلبہ پر خاص اثر پڑتا ہے، لیکن علما اس سے مرعوب نہیں ہوتے جب تک کہ فقہ وافتا میں مہارت نہ ہو۔ ان میں آپ کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ بریلی شریف اور مبارک پور دونوں فقہی سیمیناروں میں مدعو ہوتے اور دونوں مجلسوں میں یکساں مقبولیت رکھتے تھے۔ آپ کی علمی خدمات نصف صدی کے طویل عرصے کو محیط ہیں۔ ان کی درس گاہ کے فیض یافتہ حضرات آج پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، اور جن لوگوں کو ان کی درس گاہ میں بیٹھنے کا موقع نہ ملا، وہ لوگ بھی اُن کے علمی جاہ وجلال اور فنی کمال کے معترف ہیں۔

آپ کی سادہ اور محتاط زندگی، پارسائی اور اخلاص کے اثرات دل کی گہرائیوں تک پہنچتے ہیں۔ ان کی پوری زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ آپ شریعت کے معاملے میں طبیعت کو کچھ دخل نہ دیتے تھے، بلکہ شریعت ہی آپ کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ پوری زندگی پڑھتے پڑھاتے گزری، لہٰذا درسگاہ سے ہی انس تھا۔ ایسا انس کہ درس گاہ چھوڑنے کو راضی نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سفر سے حتی الامکان احتراز کرتے تھے۔ جب سے مریض رہنے لگے تنہا سفر سے گھبراتے تھے۔

اس سال جون میں ہیوسٹن (امریکہ) میں ہمارے طلبہ کی دستار بندی کا پروگرام منعقد ہوا تھا۔ ہم نے آپ کے پروردہ خاص حضرت مفتی محمد قمر الحسن صاحب قبلہ سے گزارش کی کہ آپ سے بات کریں کہ بس ایک سفر کے لیے راضی ہو جائیں، انھوں نے گفتگو کی تو حضرت ہنس کر ٹال گئے، فرمانے لگے۔ امریکہ کا سفر تو دور کی بات ہے، میں دلی تک جانا نہیں چاہتا۔

حضور محدث کبیر حفظہ اللہ تعالیٰ سے گہرے تعلقات تھے جو کبھی کسی حال میں ایک لمحے کے لیے بھی متاثر نہ ہوئے۔ دو سال قبل عرس امجدی کے موقع پر حضور محدث کبیر قبلہ مدظلہ العالی کی طرف سے حضور مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں صدر الشریعہ ایوارڈ اور ان کی علمی خدمات پر تہنیت نامہ پیش کیا گیا۔ حضور محدث کبیر مدظلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ گزشتہ ماہ جب حضرت کا وصال ہوا، اس وقت حضرت محدث کبیر پالی راجستھان کے دورے پر تھے۔ وصال کی خبر ملی تو آپ فیض آباد کے لیے روانہ ہوئے اور نماز جنازہ آپ نے ہی پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے مرقد انور پر رحمت وانوار کی بارش برسائے اور انھیں مغفرت اور

رضائے خاص سے سرفراز فرمائے، اور ان کے علمی و روحانی فیوض کو جاری فرمائے: آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وآلہ وصحبہ افضل الصلاۃ والتسلیم

حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز کا علمی انقلاب

عرس عزیزی کی آمد آمد ہے۔ اس موقع پر ہم اپنے تمام مصباحی و عزیزی برادران کے ساتھ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مشن کی یاد تازہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضور حافظ ملت نے جو علمی انقلاب برپا کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آج ملک و بیرونِ ملک اہل سنت میں جو علمی شادابی نظر آرہی ہے، وہ حضور حافظ ملت کی رہین منت ہے۔ ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے والوں کے لیے ان کی ہمتِ مردانہ، استقلال، اور محدود ذرائع کے باوجود فلک نما عزائم مشعل راہ ہیں۔ ان کی زندگی کے کسی ایک پہلو کو بھی اخلاص کے ساتھ اختیار کرلیا جائے تو کامیابی بڑھ بڑھ کر قدم چومے گی، اور اس کے نتیجے میں دنیا کی وہ ساری مرغوبات بھی فرشِ راہ ہوں گی جن کو اس دور کا کیریر سمجھا جاتا ہے۔

(صفحہ 45 کا بقیہ)

بھارت میں آرین اقوام کا قدم جمتے ہی غیر آریوں پر ظلم وستم ہونے لگا، جو آج تک جاری ہے۔ ظالم ایک، مظلوم انیک!!!

ہائی کورٹ اور اندرا گاندھی - سپریم کورٹ اور بی جے پی

1971 کے لوک سبھا الیکشن میں اندرا گاندھی (۱۹۱۷ء-۱۹۸۴ء) نے ’’غریبی ہٹاؤ‘‘ کا نعرہ دیا اور کانگریس نے 352: سیٹ حاصل کی اور حکومت سازی کی۔ سال ۱۹۷۱ء ہی میں ہندو پاک جنگ شروع ہوگئی۔ اسی درمیان بنگلہ دیش، پاکستان سے الگ ہو کر ایک نیا ملک بن گیا۔ اندرا گاندھی نے بنگلہ دیش کے قیام اور پاکستان کی تقسیم میں اہم کردار ادا کیا۔ بھارت بھی جنگ میں شریک ہوگیا تھا۔ ان جنگوں کے سبب ملک میں مہنگائی بڑھ گئی۔ چوں کہ اندرا گاندھی کو قوم نے غریبی ہٹانے کے نام پر ووٹ دیا تھا، جس میں کانگریس پارٹی ناکام رہی۔

12: جون 1975 کو الہ آباد ہائی کورٹ نے اندرا گاندھی کے ایفائے عہد نہ کرنے کے سبب اسے انتخابی جرم (Electoral Malpractices) قرار دیتے ہوئے 1971 کے الیکشن کو ناقابل اعتماد اور غیر معتبر قرار دیا۔ اندرا گاندھی نے فیصلہ کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا۔ سپریم کورٹ نے 24: جون 1975 کو اپنے فیصلہ میں الہ آباد ہائی کورٹ کا فیصلہ برقرار رکھا اور اندرا گاندھی کی وزارت عظمیٰ اور پارلیامنٹ کے کاموں میں اس کے حصہ لینے پر پابندی لگادی۔ اندرا گاندھی نے وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دینے کی بجائے صدر جمہوریہ مسٹر فخر الدین علی احمد (۱۹۰۵ء-۱۹۷۷ء) سے ’’ایمرجنسی‘‘ کا اعلان کروادیا۔ 25: جون 1975 سے 21: مارچ 1977 تک ملک میں ایمرجنسی (Emergency) نافذ رہی۔ ایمرجنسی کے عہد ہی میں سال 1977 کا لوک سبھا الیکشن 16: مارچ تا 20: مارچ ہوا۔ کانگریس پارٹی کو شکست ہوئی اور جنتادل نے حکومت بنائی۔ یہ کانگریس کی پہلی شکست تھی، اور یہ ایمرجنسی کا نتیجہ تھا۔

اندرا گاندھی بہت طاقتور وزیر اعظم تھی۔ اسے آئرن لیڈی کہا جاتا تھا۔ آزادی کے بعد اب تک مسلسل کانگریس کی حکومت تھی۔ کانگریس کے پاس لوک سبھا کی 352: سیٹ تھی۔ ان سب حقائق کے باوجود ہائی کورٹ نے اندرا گاندھی کے انتخابی وعدہ کو مکمل نہ کرنے کے سبب حکومت کو ناقابل اعتماد قرار دیا، حالاں کہ جنگ کے سبب بھارت کی اقتصادی حالت متاثر ہوگئی تھی۔ مرکزی حکومت کا یہ عذر بھی کورٹ نے تسلیم نہ کیا۔ بھاجپائی حکومت کا حال یہ ہے کہ صرف 303: لوک سبھا سیٹ اس کی ہے۔ ای وی ایم میں تخریب کاری کا الزام بھی ہے۔ بھاجپائی لیڈروں کی کذب بیانی اور فرقہ وارانہ بیانوں کے سبب اہل ملک پریشان ہیں۔ اقتصادی حالت انتہائی خراب ہے۔ ہر سال دو کروڑ لوگوں کو نوکری دینے کا وعدہ بھی ایک فریب ثابت ہوا، بلکہ سال 2018: میں ایک کروڑ سے زیادہ لوگوں کی ملازمت ختم ہوگئی۔ ان سب کے باوجود سپریم کورٹ خاموش ہے۔ سپریم کورٹ کے متعدد فیصلے بھی بھاجپا کے حق میں ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ کیا سپریم کورٹ دہشت میں مبتلا ہے؟؟

آہ! ایک اور دانائے راز رخصت ہوا

علامہ محمد فروغ القادری، ورلڈ اسلامک مشن (انگلینڈ)

بیاباں کو بنایا غیرت خلد بریں تو نے
چمن میں کر دیا ہر گل کو نکہت آفریں تو نے

مورخہ 11 : دسمبر ۲۰۱۹ء بروز بدھ مطابق 13 : ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ دوپہر 2 : بجے یہاں لندن ٹائم کے مطابق ہندوستان سے میرے پاس فون آیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے جامع معقول ومنقول استاذ العلما سند الافاضل سیدی علامہ مفتی شبیر حسن بستوی رضوی صاحب قبلہ شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد یوپی (انڈیا) لکھنو کے ایک اسپتال میں شدت علالت کے بعد وصال فرما گئے: انا للہ وانا الیہ راجعون.

گویا کے روز بدھ کا خورشید جب اپنی کرنیں بکھیر کر مغرب کے آغوش میں ڈوب رہا تھا، عین اسی وقت علم و دانش، فکر وفن کا ایک اور سورج فصیل کائنات سے اوجھل ہو رہا تھا۔ مادر علمی الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد کی مسند تدریس پر کم وبیش نصف صدی تک اپنے علم وفضل کے گوہر آبدار لٹانے والا اپنی ذہنی دراکی اور خداداد صلاحیتوں کے ذریعے سے فقہ اسلامی، معارف دینی اور منطق وفلسفہ کے مشکل ترین مسائل کی عقدہ کشائی کرنے والا اور نغمات رضا کو استدلال کی زبان دینے والا عظیم عبقری اپنی زندگی کی 73 : بہاریں دیکھ کر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

وہ عصر حاضر میں ہماری درسگاہ کی آبرو، مسلک امام احمد رضا کی عزت، اسلامیان ہند اہل سنت و جماعت کا وقار اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنے تلامذہ کی علمی، دینی، تہذیبی اور اعتقادی تحریکات کے امام تھے۔ آج ان کے اچانک وصال سے علم وفن کی کائنات ان ساری عزتوں سے محروم ہو گئی۔ علوم عقلیہ اور نقلیہ کا ایسا ماہر، مسند ارشاد وتدریس کا ایسا شناور، فلسفہ خودی کا ایک مرد کامل، عصر حاضر میں رازی وغزالی کی درسگاہ شوق کا حقیقی ترجمان، ایسا عاشق رسول اور کاروان ملت کا حدی خواں آفاق کی وسعتوں میں صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے اور شاید پھر صدیوں کے بعد پیدا ہو۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن دیدہ ور پیدا

ان کے دھن کا ہر ترانہ کلام رضا، ان کی جان حزین کی ہر آواز مدحت رسول اور ان کے جذبہ دل کی ہر فریاد ارمغان حجاز تھا۔ وہ ذکر کی گرمی میں شعلے کی طرح روشن اور فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز رہا کرتے تھے۔ ان کی درسگاہ فیض ان کے طلبا کے لیے کسی چشمہ سیال سے کم نہ تھی۔ وہ اسباق ومضامین کو دل ودماغ کی پنہائیوں میں اتارنے کا ہنر جانتے تھے۔ ایک ایسی شعلہ بداماں وسعت مطالعہ استحضار ذہنی اور فقہی بصیرت کی جمالیاتی صلاحیتوں سے آراستہ شخصیت جس سے ہماری شاہراہ حیات مدتوں روشن تھی۔ آج ہم سے رخصت ہو گئی:

ع/ ایسا کہاں سے لاؤں کے تجھ سا کہوں جسے

دانش حاضر کا یہ عظیم حسن اور اپنے اکابرین کی روایتوں کا حقیقی پاسدار اب ہمیشہ کے لیے عرش الٰہی کے پرانوار سائے میں محو خواب ہے۔ قبول ومغفرت کے پھول ان کے وجود پاک پر برسائے جا رہے ہوں گے۔ بلا شبہ خاکی مکینوں کی آخری آرامگاہ ستاروں کی انجمن ہوتی ہے۔ آج وہ اپنے زندہ کردار وعمل کے ساتھ ستاروں کی انجمن میں فروکش ہیں

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد

استاذ گرامی، پیکر علم وفن، امام منطق وفلسفہ، ماہر درسیات حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی بستوی نور اللہ مرقدہ کا سانحہ ارتحال بلاشبہ اہل سنت و جماعت کا نا قابل تلافی نقصان ہے۔ وہ عصر حاضر میں رازی وغزالی کی درسگاہ فیض کے وارث تھے۔ رب کریم نے انھیں بے پناہ علمی وقار اور فکر وفن کی انتہا درجہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ان کی تدریسی، تحریری اور تحریکی کاوشوں کا تسلسل نصف صدی سے زائد عرصے تک کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

وہ قوم وملت کے دینی اثاثوں اور امام احمد رضا محدث بریلوی کے تصنیفی شہ پاروں کے تحفظ کے لیے اپنی پوری زندگی جدو جہد کرتے رہے، جس کے نتیجے میں انھوں نے حد درجہ باصلاحیت علما، مدرسین اور مبلغین کی ایک عظیم جماعت پیدا کی جو ملک و بیرون ملک ہر لحہ تبلیغ دین وسنت کی راہوں میں آمادہ کار ہیں۔

افسوس! حضرت مفتی صاحب قبلہ ہم سب سے اس وقت جدا ہو گئے جس وقت پوری علمی دنیا کو ان کی صالح قیادت کی شدید ضرورت درپیش تھی۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کے تلامذہ ان کے نامکمل اور تشنہ مشن کو آگے بڑھانے میں اپنے اخلاص پیشہ محنتوں کو بروئے کار لائیں گے، اور یہی اس نابغہ روزگار فقیہ عصر کے لیے خراج عقیدت ہوگا۔

استاذ مکرم حضرت مفتی صاحب قبلہ کی حیثیت آج کے اجڑے ہوئے درسگاہی ماحول میں ایک شمع فروزاں کی تھی جس کی روشنیوں سے مشرق ومغرب اور عرب وعجم میں آباد لاکھوں گم گشتگان راہ ہدایت کے قلب ونظر منور ہوئے۔ آپ برصغیر ہندو پاک کے ان چند نفوس قدسیہ اور ارباب علم ودانش میں تھے جن پر اہل سنت کو ناز تھا۔

آپ نے مادر علمی الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد یوپی کے ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر فروغ علم وہنر کی ایک ایسی نا قابل تسخیر تحریک کا آغاز کیا کہ جس سے طالبان علوم نبویہ میں جہالت وگمراہی کے اندھیرے شعور زندہ کی روشنیوں میں تبدیل ہو گئے۔

شوکت علمی کی شہ نشینی کے باوجود سراپا عجز وانکسار، راہ سلوک کے سچے مسافر، عابد شب زندہ دار، فقہ امام اعظم ابوحنیفہ کے پر جوش داعی، دین وسنت کی راہوں میں صحرا نوردی کا عظیم حوصلے رکھنے والے میرے نہایت ہی محسن ومشفق استاذ گرامی جو اپنے دامن سیماب میں مہر وماہ سے بڑھ کر اجالے اور روشنیاں سمیٹے ہوئے تھے، بے حد نفیس، بے حد شفیق، سراپا اخلاص ومحبت اور اپنے اصاغر پر اپنی کرم نوازیوں کے پھول برسانے والے، جن سے مل کر علم وفن کو ایک نئی تازگی اور وجدان وخیالات کو حرارت نصیب ہوتی تھی، وہ آج ہماری نگاہوں سے اچانک اوجھل ہو گئے:

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی

حضرت مفتی صاحب قبلہ کی ذات گرامی دنیائے علم وفن کے لیے ایک نہایت ہی مستند ممتاز اور قابل فخر تھی۔ وہ تادم حیات اپنی درسگاہی سرگرمیوں سے وابستہ رہے۔ ان کے تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد ملک و بیرون ملک تدریس وافتا کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ منطق وفلسفہ، علم توقیت، علم حساب اور علم فلکیات کے حوالے سے برصغیر ہندو پاک میں ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ ان کے اچانک تشریف لے جانے کے بعد علمی دنیا میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، جو شاید مستقبل قریب میں کبھی نہ پر ہو سکے۔

ع/ مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانے تجھے

بلاشبہ وہ امام علم وفن تھے۔ منطق وفلسفہ کی منتہی کتابوں کے اشکال کو لمحوں بھر میں حل کر دینا، ان کی دقت طرازی، وسعت مطالعہ اور کمال فن کا آئینہ دار تھا۔ طبیعت میں علوم عقلیہ کے غلبے کے باوجود وہ حد درجہ منکسر المزاج اور اپنے اصاغر پر بے پناہ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اہل سنت و جماعت کے داخلی انتشار کے پس منظر میں ان کی محققانہ علمی کاوشوں اور گرانقدر فیصلوں نے بڑا نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ملک کے طول وعرض میں انعقاد پذیر فقہی سیمیناروں میں ان کے فتاوے جات اور علمی نگارشات کو اجتماعی فیصلوں کے نفاذ میں نمایاں مقام حاصل تھا۔وہ ایک ہمہ جہت فقہی بصیرت کے ساتھ ساتھ عصری متقاضیات سے بھی واقف کار تھے اور ایک فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ زمانے کے حساس مسائل پر بھی استحضار ذہنی رکھتا ہو۔ ہائے افسوس کے وہ ایسے نامساعد حالات میں ہم سے رخصت ہو گئے، جہاں پوری دنیائے اسلام کو ان کی علمی وفکری رہنمائی کی ضرورت تھی۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

سماحۃ الشیخ استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ اپنی جودت طبع میں ایک انجمن اور اپنی حیات ظاہری میں علم وعمل اور فضل وکمال کا کوہ گراں تھے۔ان کی ناقابل تسخیر شخصیت کے عناصر ترکسی میں ذہن کی بیداری بھی تھی اور علم کی پختگی بھی، غیر معمولی قوت حافظہ بھی تھی اور طلب وجستجو بھی، جذبہ شوق کی فراوانی بھی تھی اور فقر و درویش کے مزاج کا استغنا بھی، معلومات کی وسعت بھی تھی اور فکر ونظر کی گہرائی بھی، لذت سحر خیزی بھی تھی اور آہ سحر گاہی بھی۔

ان کے پیکر جمال میں ٹھہراؤ بھی تھا جولانی بھی، استحکام کا سکون بھی تھا اور انقلابی شرارے بھی، غیرت جلال بھی تھی اور جمال مروت بھی، یہی وجہ تھی کے دعوت وعزیمت کی دشوار گزار راہوں اور دینی فیصلوں کے نفاذ میں ان کی پرشکوہ ذات گرامی جب ایک بار اپنی رائے پیش کر دیتی تھی تو پھر وہ کج کلاہان زمانہ کی تنقیدات اور تبصروں کی پرواہ نہیں کرتی تھی۔

قدرت نے انہیں بے پناہ علمی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اس حوالے سے وہ اپنے معاصرین میں حد درجہ نمایاں نظر آتے ہیں ۔ان کی ذات گرامی علم وعمل اور روحانیت وتقویٰ شعاری کا مرقع تھی ۔وہ ہر لمحہ دینی دعوت، علمی خدمت اور مسلک عزیمت کے محاذ پر سرگرم عمل رہے۔ انھوں نے خطابت، مناظرہ، تدریس، اور تصنیف وتالیف کے تمام شعبوں میں اپنے گراں قدر نقوش حیات چھوڑے ہیں۔عقائد اہل سنت کی ترویج واشاعت اور ترسیل وابلاغ میں ان کی ناقابل فراموش تحریکی وتنظیمی جدوجہد بہت دیر تک یاد رکھی جائے گی۔

میں ان خوش بختوں میں ہوں کہ مجھے کم وبیش مسلسل 6: سال کے عرصے تک حضرت مفتی صاحب قبلہ کی کفش برداری اور ان کی درسگاہ فیض سے نسبت تلمذ کا شرف حاصل رہا۔ باذوق اور محنتی طلبہ کو وہ خارجی اوقات میں بھی ازراہ کرم پڑھایا کرتے تھے۔

کافیہ، شرح جامی، قطبی تصورات وتصدیقات، شرح ہدایہ الحکمت، ملاحسن، شرح عقائد، بیضاوی، حمد اللہ، قاضی مبارک وہ کتابیں ہیں جنھیں مجھے حضرت سے بالاستیعاب پڑھنے کا اعزاز حاصل ہے۔اس پورے مرحلہ شوق سے گزرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ ان کے دلآویز انداز تدریس، مسائل ومباحث پر ان کا حیرت انگیز علمی استحضار، غیر معمولی قوت حافظہ، ان کی ذہنی دراکی اور حاضر جوابی، ان کی ادبیت اور انشا پردازی، کسی لمحے میں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی تھی۔ دوران درس ایسا محسوس ہوتا کے جیسے علم وفن کا ایک بحر ناپیدا کنار ہے جو موجیں لے رہا ہے اور ہم تشنہ کام اس کے گرد بیٹھے ہیں۔

ان کی وسعت مطالعہ، ان کی حیرت انگیز معلومات، ان کی دقت نظر، ان کی فکری بصیرت، ان کا اخلاص ہمیشہ دل ان کی خودداری اور عزت نفس، ہر شبہ سے بالاتر اور ہر اختلاف سے بے نیاز ہے % اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب جبرئیل عشق کا فیضان اور دردمند دل کا الہام شریک حال بن جائے۔

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں دیدہ اغیار کو بینا کر دیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ ارباب علم ودانش کی اکثریت ان کے تبحر علمی، حکیمانہ ژرف نگاہی، بالغ نظری، فقیہانہ طرز استدلال

،عالمانہ استعداد اور فلسفیانہ لیاقت کے قائل تھے ،تاہم بعض اوقات ان کی ظرافت طبعی ،بذلہ سنجی اور شگفتہ بیانی بھی محفل کو گھنٹوں کشت زعفران بنائے رکھتی تھی ،اور یہ ان کی حیات داخلی کا وصف جمیل تھا۔ خیالات کی بلندی، کلام کی معنی خیزی، طرز ادا کی طرفگی اور مضمون آفرینی میں ان کا جواب نہیں تھا۔ صد حیف کے چمن دہر میں چہکنے والا یہ بلبل ہزار داستاں اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا:

ع/ اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی طبیعت فلسفہ طراز اور مشکل پسند واقع ہوئی تھی ،مگر اس کے باوجود وہ فن شاعری کا نہایت شستہ اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ اس مرحلہ شوق سے گزرتے ہوئے امام احمد رضا محدث بریلوی کے نعتیہ اشعار سے انھیں جنون کی حد تک لگاؤ تھا ،فرصت کے بعض اوقات خوش گلو طلبہ کو بلا کر حد درجہ اہتمام شوق کے ساتھ کلام رضا کو سماعت فرمایا کرتے تھے۔

اختتام بزم پر طلبا کو انعام واکرام سے نوازا بھی جاتا تھا۔ درمیان کلام جہاں کہیں بھی آیات قرآنیہ، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، اصول تفسیر، علم توقیت، علم نجوم، علم فلکیات، علم ریاضی، علم منطق، علم فلسفہ، علم حساب، علم کلام، علم معانی وبیان اور لف ونشر مرتب کی بات آتی تو اپنے مخصوص انداز میں وہ اس طرح ان مباحث کی تشریح فرماتے کہ طبیعت جھوم اٹھتی اور وجدان وخیالات عشق وعرفان کی ایک نئی کائنات سے آشنا ہو رہے ہوتے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ کا ذوق شعر وادب اعلیٰ امام احمد رضا محدث بریلوی کے فن شاعری، محاسن شاعری، طرازی شعری، طرز بیان، ندرت خیال، معنی آفرینی اور قوت متخیلہ کی سحر آفرینی سے ہر لمحہ واقف کار تھا اور یہی ان کی درسگاہ کی مابہ الامتیاز کیفیت ہے۔

دم تحریر مجھ جیسے بے بضاعت کے لیے حد درجہ دشوار گزار مرحلہ ہے کہ میں ان کے طغراہائے جمال ،ان کی شوکت علمی ،ان کے حرف آگہی ،اور تقدیس حیات کے آسمان کو اس زمین کے پیمانے سے ناپ سکوں۔ اس کے لیے لوازم ہنر اور شکوہ الفاظ سے مرصع کسی صاحب قلم کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کے ان کے قدر شناس اور احسان مند طلبہ اس طرف یقیناً توجہ فرمائیں گے:

ع/ جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں

حضرت مفتی صاحب قبلہ کی مقصدیت آمیز اور تاریخ ساز زندگی بلاشبہ خورشید جہاں تاب سی تھی۔ آج وہ ہم میں بظاہر موجود نہیں ہیں ،تاہم ان کے علم وعمل اور پاکیزہ روحانی تصرفات کے انوار سے مادر علمی الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد کے بام ودر تا صبح قیامت روشن وتابناک رہیں گے ،اور عالم ملکوت سے اترنے والے قدسی فرشتوں کی رحمتیں ان کی قبر پاک پر برستی رہیں گی۔

مثل انوار سحر مرقد فروزاں ہو تیرا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو تیرا

(ص 14 کا باقی حصہ)

ایوارڈ: 29 اگست 2014 کو محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفٰے دام ظلہ الاقدس کے دست مبارک سے صدر الشریعہ ایوارڈ سے نوازے گئے۔ 01 مارچ 2016 کو حضور تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز کے دست اقدس سے اور 27 مارچ 2019 کو مجلس ابنائے روناہی کے ذریعے آپ کو مجاہد ملت ایوارڈ سے نوازا گیا۔

تصنیفات: درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کی مصروفیت کے باوجود آپ نے نصف درجن سے زائد مندرجہ ذیل مایہ ناز کتب ورسائل تصنیف فرمائے:

(۱) امام احمد رضا اور علوم عقلیہ (۲) حاشیہ شرح ہداہت الحکمت (۳) توضیحات کبریٰ (۴) جوامع الحکم (۵) حاشیہ کبریٰ (۶) الجواہر المنظم شرح مسلم الثبوت (۷) مختصر حالات فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

وصال پر ملال: 11: دسمبر 2019 بروز بدھ، بوقت 7: بج کر 15 :منٹ پر یہ آفتاب علم وفن ہمیں داغ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا۔ اللہ موصوف کو اپنے ظل رحمت میں جگہ عطا فرمائے، اور ہمیں ان کے فیوض وبرکات سے مالامال فرمائے۔ (آمین)

علامہ مفتی محمد شبیر حسن رضوی: حیات وخدمات

مولانا محمد شاہد علی مصباحی (جالون)

عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت ناشر مسلک اعلیٰ حضرت جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ مفتی محمد شبیر حسن رضوی مصباحی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ اللہ جل جلالہ نے آپ کو علم وفضل کے ساتھ شہرت ومقبولیت بھی عطا فرمائی ہے۔ آپ کی بارگاہ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ چند سطور تحریر کررہا ہوں:

ع/ گر قبول افتد زہے عزوشرف

اسم گرامی: محمد شبیر حسن رضوی

والد گرامی کا نام: عالی جناب امت علی مرحوم

آپ کی ولادت یکم جولائی 1948 کو موضع دیوریا لعل، پوسٹ جائی کلاں، ضلع سنت کبیر نگر (یوپی) میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کے گاؤں کے قریب موضع بسڈیلہ کے دارالعلوم تدریس السلام میں حضرت علامہ اعجاز احمد علیہ الرحمہ اور حضرت علامہ عبد الشکور صاحب دام ظلہ الاقدس کی تربیت میں ہوئی۔ اس کے بعد دارالعلوم منظر حق ٹانڈہ میں متوسطات تک کی تعلیم شمس العلما حضرت علامہ قاضی شمس الدین جعفری رحمۃ اللہ علیہ کے سایہ کرم میں ہوئی۔ بعدہ آپ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور: اعظم گڑھ) میں داخل ہوئے اور جلالت العلم حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز سے علم حدیث اور امام المعقولات والمنقولات حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ سے علوم عقلیہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس طرح محض 19: سال کی عمر میں آپ جملہ مروجہ علوم وفنون کی تکمیل کرکے جامعہ اشرفیہ سے ۱۹۶۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد سب سے پہلے حضرت علامہ مفتی رجب علی قادری علیہ الرحمہ کی دعوت پر مدرسہ عزیز العلوم نان پارہ، بہرائچ شریف (یوپی) تشریف لے گئے، اور صدر المدرسین کے عہدہ پر تقرری ہوئی۔ آپ کے علمی جلال نے حضرت علامہ مفتی رجب علی قادری علیہ الرحمہ کو ایسا متاثر کیا کہ حضرت نے آپ سے افتا کا کام لینا بھی شروع کردیا۔

آپ 1972 تک اسی مدرسہ میں تشنگان علوم نبویہ کو سیراب کرتے رہے اور مسند شیخ الحدیث ومسند افتا کو زینت بخشتے رہے۔ 1972 میں صدر العلما حضرت علامہ نعمان خان قادری علیہ الرحمہ (سابق صدر المدرسین الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی) کی دعوت پر مدرسہ عزیز العلوم (نان پارہ) سے مستعفی ہوکر الجامعۃ الاسلامیہ (روناہی) تشریف لائے۔ زندگی کے آخری ایام تک اسی دارالعلوم میں تشنگان علوم نبویہ کو اپنے علم کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی موجوں سے سیراب فرماتے رہے۔ ساتھ ہی مسند افتا اور مسند شیخ الحدیث کو بھی زینت بخشی۔

بیعت وارادت: شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری نوری قدس سرہ القوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

اجازت وخلافت: تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری ازہری قدس سرہ العزیز، گل گلزار اشرفیت حضرت مولانا سید مثنی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ، حضرت علامہ مفتی رجب علی علیہ الرحمہ، گلزار ملت حضرت سید شاہ گلزار میاں اسمٰعیلی واسطی دام ظلہ العالی والنورانی سے حاصل ہوئیں۔

زیارت حرمین شریفین: آپ علیہ الرحمہ نے دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل فرمایا۔ پہلی مرتبہ 1994 میں اور دوسری مرتبہ 1999 میں۔

بزرگان دین سے محبت: آپ بزرگان دین سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے، جب بھی کسی بزرگ کا تذکرہ آتا تو بڑے ادب واحترام کے ساتھ ان کا ذکر خیر فرماتے۔ آپ علیہ الرحمہ دو مرتبہ بارگاہ غوثیت میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ پہلی مرتبہ 1994 اور دوسری مرتبہ 2019 میں، اور متعدد مرتبہ بارگاہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی حاضری کا شرف حاصل کیا، نیز تقریباً ہر سال بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حاضری کا شرف حاصل فرماتے۔ (بقیہ: صفحہ 13 پر)

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے اے ہندی مسلمانو!

طارق انور مصباحی

{tariqueanwer313@gmail.com}

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
جسے نہ ہو خیال خود ہی اپنی حالت بدلنے کا

دنیا عالم اسباب ہے

اللہ تعالیٰ فاعل حقیقی ہے۔رب تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہ ایک ذرہ حرکت کرسکتا ہے،نہ کوئی پتہ ہل سکتا ہے،لیکن اس دنیا کو رب تعالیٰ نے عالم اسباب بنایا ہے۔یہاں عموماً ہر امر کا کوئی سبب ہے۔جب وہ سبب پایا جاتا ہے تو مسبب کا وجود ہوتا ہے۔اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے سبب کو اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔اب چوں کہ فاعل حقیقی رب تعالیٰ ہے،اس لیے اختیار سبب ظاہر کے ساتھ توجہ الی اللہ بھی مدنظر رہے،تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وکرم نوازی کے سبب حصول مقصد کی راہ آسان ہو،اور کامیابی وکامرانی حاصل ہوسکے۔

وہ تمام اعمال حسنہ جو رضائے الٰہی کے واسطے عمل میں آتے ہیں،وہ سب توجہ الی اللہ کی صورتیں اور باطنی اسباب ہیں۔بعض امور کے لیے سبب ظاہر نہیں تو ان امور میں سبب باطن کافی ہے،مثلاً بارش نہ ہو تو حصول بارش کے لیے کوئی سبب ظاہر نہیں،پس اس موقع پر دعا ونماز واعمال صالحہ کے ذریعہ رب تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونا ہے،تاکہ رب تعالیٰ ہمیں بارش عطا فرمائے۔جن امور کے لیے سبب ظاہر موجود ہے،ان کے حصول کے واسطے سبب ظاہر کو اختیار کرنا لازم ہے۔اس سبب ظاہر کو مومن وکافر جو بھی اختیار کرتا ہے،مشیت الٰہی سے مسبب کا وجود ہوتا ہے،خواہ توجہ الی اللہ ہو یا نہ ہو۔دفع امراض کے لیے دوائیں شفایابی کا سبب ہیں۔

اگر کافر بھی اس سبب کو اختیار کرتا ہے تو وہ شفایابی پالیتا ہے، حالاں کہ وہ رب تعالیٰ کا منکر ہے،وہاں توجہ الی اللہ مفقود ہے،لیکن اس نے نظام الٰہی کے مطابق عمل کیا اور شفا پالیا۔بندۂ مومن نظام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سبب ظاہر کو اختیار نہ کرے تو وہ ناکام ونامراد ہوتا ہے۔اس نکتہ سے غفلت کے سبب مسلمانان ہند نے کافی نقصان اٹھایا۔اس موضوع پر امام اہل سنت قدس سرہ القوی کا ایک رسالہ ”التحبیر بباب التقدیر“ ہے۔

اس رسالہ کے چند اقتباسات منقولہ ذیل ہیں:

امام احمد رضا قادری نے رقم فرمایا:”دنیا عالم اسباب ہے۔رب جل مجدہ نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق اس میں مسببات کو اسباب سے ربط دیا،اور سنت الٰہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبب پیدا ہو۔جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے۔یوں ہی تدبیر کو محض عبث ومطرود وفضول ومردود بتانا کسی کھلے گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے۔جس کی رو سے صدہا آیات واحادیث سے اعراض لازم آتا ہے۔حضرات مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین سے زیادہ کس کا توکل،اور ان سے بڑھ کر تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان،پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے،اور اس کی راہیں بتاتے اور خود کسب حلال میں سعی کرکے رزق طیب کھاتے“۔(التحبیر بباب التدبیر ص ۴)

امام اہل سنت قدس سرہ القوی نے تحریر فرمایا:

”خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استعمال دوا فرمانا اور امت مرحومہ کو صدہا امراض کے علاج بتانا بکثرت احادیث میں مذکور اور طب نبوی وسیر وغیرہا فنون حدیثیہ میں مسطور“۔

(التحبیر بباب التدبیر ص۱۲)

امام موصوف رقم طراز ہیں: ''تدبیر کی بہت صورتیں فرض قطعی ہیں، جیسے فرائض کا بجالانا محرمات سے بچنا، بقدر سد رمق کھاکھانا، پانی پینا، یہاں تک کہ اس کے لیے بحالت مخمصہ شراب ومردار کی اجازت دی گئی''۔ (التحبیر بباب التدبیر ص۱۲)

اسباب ظاہری کواختیار کرنے کے دلائل

امام احمد رضا قادری نے رقم فرمایا: ''باب تدبیر میں آیات واحادیث نہیں جنہیں کوئی حصر کر سکے۔ فقیر غفرلہ اللہ تعالیٰ دعویٰ کرتا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اگر محنت کی جائے تو دس ہزار سے زائد آیات واحادیث اس پر ہوسکتی ہیں، مگر کیا حاجت کہ:

آفتاب آمد دلیل آفتاب

جس مسئلہ کے تسلیم پر تمام جہاں کے کاروبار کا دارومدار، اس میں زیادہ تطویل عبث وبیکار۔ اس تحریر میں کہ فقیر نے پندرہ آیتیں اور پینتیس حدیثیں، جملہ پچاس نصوص ذکر کیے اور صدہا، بلکہ ہزارہا کے پتے دیئے، یہ کیا تھوڑے ہیں؟ انہیں سے ثابت کہ انکار تدبیر کس قدر اعلیٰ درجہ کی حماقت، اخبث الامراض اور قرآن وحدیث سے صریح اعراض اور خدا ورسول پر کھلا اعتراض: لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم''۔ (التحبیر بباب التدبیر ص۲۱)

اسباب ظاہری کواختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

امام احمد رضا قادری نے رقم فرمایا: ''انہیں احادیث سے ثابت ہوا کہ تلاش حلال وفکر معاش وتعاطی اسباب ہرگز منافی توکل نہیں، بلکہ عین مرضی الٰہی ہے کہ آدمی تدبیر کرے اور بھروسہ تقدیر پر رکھے، اسی لیے جب ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی۔ اپنی اونٹنی چھوڑ دوں اور خدا پر بھروسہ رکھوں، یا اسے باندھوں اور خدا پر توکل کروں؟ ارشاد فرمایا: (قید وتوکل) باندھ دے اور تکیہ خدا پر رکھ''۔ (التحبیر بباب التدبیر ص۱۶)

(۴) ''پس ثابت ہوا کہ تدبیر ہرگز منافی توکل نہیں، بلکہ صلاح نیت کے ساتھ عین توکل ہے''۔ (التحبیر بباب التدبیر ص۱۹)

قانون الٰہی سے انحراف

عالم اسباب میں سبب ظاہر کو ترک کرنا قانون الٰہی سے انحراف ہے۔ سبب ظاہر کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں۔ اگر کسی کے پاس کھانے کی چیز تھی، جس کو کھا کر وہ اپنی جان بچا سکتا تھا لیکن وہ نہیں کھایا اور مرگیا تو یہ گنہ گار ہوا، کیوں کہ جان بچانا فرض تھا۔ اگر کوئی حلال چیز نہیں تھی تو حرام چیز کھا کر جان بچائے، ورنہ مواخذہ ہوگا۔ فقہی کتابوں میں تفصیلی احکام مرقوم ہیں۔ ہر امر کے خاص اسباب ہیں۔ ان خاص اسباب کو اختیار کرنا لازم ہے۔ توجہ الی اللہ تمام امور حسنہ میں مطلوب ہے، لیکن توجہ الی اللہ اور سبب باطن پر اکتفا کرنا قانون الٰہی سے انحراف ہے۔

جہاں سبب باطن کے ساتھ نجات ودفاع کے اسباب ظاہری پر بھی عمل کرنا ہے، وہاں صرف سبب باطن کا نسخہ بتانا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اس ایک نکتہ پر غور نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانان ہند کو مختلف قسم کی مصیبتوں میں مبتلا ہونا پڑا۔ اب بھارت میں مسلمانوں کا وجود خطرے میں ہے۔ تقسیم ہند کے بعد قائدانہ صلاحیتوں سے لبریز مسلم رہنماؤں کی اکثریت نے پاکستان کا رخ کرلیا۔ بھارت میں اقامت گزیں قومی رہنماؤں نے خموشی وگوشہ نشینی اختیار کرلی، اور قومی مستقبل سے بے نیاز ہوگئے۔

بعض کج فکر لیڈروں نے کانگریس کو اپنا ماویٰ وملجا تسلیم کرلیا اور کانگریس نے رفتہ رفتہ قوم مسلم کو زوال وادبار کی تاریک گھاٹیوں میں دھکیل دیا۔ کانگریس پارٹی روز اول سے ہی معتدل اور شدت پسندوں کا اکھاڑا رہی ہے۔ شدت پسند تنظیموں اور پارٹیوں کے ذمہ داران کبھی کانگریس کے رکن ہوا کرتے تھے۔ ہندو مہاسبھا، آر ایس ایس، شدھی تحریک کے ذمہ دار افراد کبھی کانگریس میں شامل تھے۔

کانگریس نے ہمیشہ خفیہ حکمت عملی سے مسلمانوں کو زیر کرنے کی کوشش کی۔ اب مسلم قیادت کی راہ ہموار کی جائے۔

سبب ظاہر کواختیار کرنے کا حکم

جمعہ کا دن ہفتہ کی عید اور عبادت الٰہی کا خاص دن ہے۔ نماز

جمعہ انتہائی شان وشوکت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔احادیث مقدسہ میں وارد ہوا کہ یہودیوں نے سنیچر ،نصاریٰ نے اتوار اور مسلمانوں نے جمعہ کے دن کو اللہ کی عبادت کے لیے خاص دن بنایا۔

اس اہم دن میں نماز جمعہ جیسی اہم عبادت کی بجاآوری کے بعد رب تعالیٰ نے بندوں کو حصول رزق کے اسباب کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بندوں نے میری اہم عبادت انتہائی شان وشوکت کے ساتھ ادا کرلی ہے۔اب وہ اپنے گھروں میں محو استراحت ہوجائیں اور ہم ان کے لیے آسمان سے من وسلویٰ نازل فرمائیں گے، بلکہ رب تعالیٰ نے گھر جانے سے بھی منع فرمادیا اور زمین میں پھیل کر نعمت الٰہی کی تلاش کا حکم فرمایا ،یعنی جن کے لیے بازاروں میں نعمت رکھی گئی ہے ،وہ بازار جائیں۔جن کے لیے کھیتوں میں نعمت دی گئی ہے،وہ کھیتوں کی طرف جائیں۔الغرض ہرایک بندہ اس جانب چلاجائے ،جہاں اس کے لیے حصول نعمت کے ظاہری اسباب وذرائع مہیا ہیں۔

رب تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

{فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ} (سورہ جمعہ: آیت ۱۰)

ترجمہ: پھر جب نماز ہوچکے تو زمین میں پھیل جاؤ،اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو،اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

(کنزالایمان)

سبب ظاہر کے ترک کا وبال

غزوۂ احد میں سبب ظاہر اختیار نہ کرنے کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔جب غزوۂ احد میں مسلمانوں نے مورچہ بندی کی تو اسلامی لشکر کے پیچھے احد پہاڑ تھا۔اس میں ایک درہ (تنگ راستہ) تھا۔جس میں سے گزر کر کفار قریش اسلامی فوج پر عقب سے حملہ کرسکتے تھے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دشمنوں کو روکنے کے لیے پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ تیار فرمایا اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا افسر مقرر فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم چاہے غالب ہوں یا مغلوب، تم لوگ اس مقام سے ہرگز نہ ہٹنا۔جب میرا حکم آئے ،تب اس جگہ کو چھوڑنا۔تیراندازوں کا یہ قافلہ دشمن کو روکنے کا ایک ذریعہ اور سبب تھا۔جنگ شروع ہوئی اور مشرکین مکہ کو ہزیمت وشکست ہوئی ،اوروہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے،اور اسلامی مجاہدین مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔

کفار کے فرار وشکست اور مسلمانوں کی فتح وکامیابی کو دیکھ پچاس تیراندازوں کا دستہ اپنی جگہ چھوڑ کر میدان جنگ کی طرف آگیا۔اس دستہ کے افسر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تیراندازوں کو روکنے کی کوشش کی ،لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکے۔حضرت خالد بن ولید اس وقت تک اسلام قبول نہ کیے تھے،اور یہ اس وقت مشرکین مکہ کی فوج کے ایک دستہ کے افسر تھے۔

خالد بن ولید پہاڑی کے اوپر سے دیکھ رہے تھے کہ درہ سے مسلمان تیرانداز واپس جاچکے ہیں۔درہ کو پہریداروں سے خالی دیکھ کر خالد بن ولید نے اپنے دستہ کو یکجا کیا اور اسی درہ کی طرف آئے ،تاکہ پیچھے سے اسلامی لشکر پر حملہ کردیا جائے۔حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خالد بن ولید کا راستہ روکنے کی کوشش کی ،لیکن قلت تعداد کے سبب راستہ نہ روک سکے،اور یہ حضرات وہیں پر شہید ہوگئے۔

خالد بن ولید کا دستہ درہ پار کر کے پیچھے سے اسلامی لشکر پر حملہ کردیا۔چوں کہ یہ حملہ اچانک ہوا تھا،اس لیے مسلمانوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا۔خالد بن ولید کے حملہ کو دیکھ کر مشرکین کی فوج واپس پلٹ آئی ،اور اس فوج نے مسلمانوں کے اگلے حصے پر حملہ کردیا۔اب دونوں جانب سے مسلمانوں پر حملے ہورہے تھے اور مسلمان اپنی جیتی ہوئی جنگ میں بازی پلٹتی دیکھ رہے تھے۔سبب ظاہر کے ترک نے یہ منظر نامہ دکھلایا۔

اسلام کو ختم کرنے کی کوشش

اے میری قوم! ذرا غور کرو کہ وہ لشکر جس میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود تھے ،اور وہ لشکر کی قیادت فرما

رہے تھے ،لیکن بعض فوجیوں کی غلط حکمت عملی کے سبب جیتی ہوئی جنگ میں ہمیں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔اب اندازہ لگاؤ کہ جہاں ہم نے ظاہری اسباب ووسائل سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے اور حکمت عملی کا تصور بھی ہمارے درمیان نہیں رہا ،کیا ہم لوگ وہاں اپنی حیات وزندگی ،اپنی عزت وآبرو ،اپنی بہنوں ،بیٹیوں کی عصمت وعفت کی حفاظت کرسکتے ہیں ۔جب کہ ہمارے مخالفین قریباً دوصدیوں سے ہمارا نام ونشان مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔

1857 میں ملک ہند سے اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔سلطنت اسلامیہ کے خاتمے کے بعد سے آج تک ہندی مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے واسطے مختلف تحریکوں کا وجود ہوتا رہا۔

تحریک شدھی کے ذریعہ بھارت کے مسلمانوں کو ہندو بنانے کی کوشش کی گئی۔آج کے زمانے میں اسی کو گھر واپسی کا نام دیا گیا ہے۔گرچہ تحریک شدھی کا آج وجود نہیں ہے ،لیکن کسی نہ کسی شکل میں ان مقاصد پر آج بھی عمل ہورہا ہے۔آپ اندازہ لگائیں کہ جب این آرسی (NRC) میں دوچار کروڑ مسلمانوں کا نام نہ آسکے ،اوران کی شہریت ختم کردی جائے تو ان کے لیے یا تو ڈٹنشن کیمپ (Detention Camp) ہوگا ،یا پھر وہ سی اے اے (CAA) میں ذکرکردہ چھ مذاہب میں سے کسی مذہب کو اختیار کرلیں ،تاکہ ان کو بھارت کی شہریت مل جائے۔اسی مقصد کی خاطر شہریت ترمیمی قانون میں اسلام دھرم کا نام نہیں ہے۔

جن مسلمانوں کا نام این آرسی میں نہ آسکے گا ،اسے پاکستانی اور بنگلہ دیشی تسلیم کرلیا جائے گا۔ایسے مسلمانوں کو دہشت گردوں کے ذریعہ بھی ختم کرنے کی کوشش ہوسکتی ہے ،بلکہ اسی کی امید زیادہ ہے۔

لوک سبھا الیکشن 2019 کے موقع پر 14: فروری 2019 کو کشمیر میں پلوامہ حملہ ہوا ،جس کا الزام پاکستان پر عائد کیا گیا اور اسی پلوامہ حملہ کے نام پر ملک بھر میں کشمیری اسٹوڈنس اور دیگر کشمیری مسلمانوں پر حملہ کیا گیا۔حالاں کہ آج تک واضح نہیں ہوسکا کہ یہ حملہ کس نے کیا تھا۔اتنا تو بالکل ظاہر ہے کہ کشمیر کے جن مسلمانوں کو ملک بھر میں مار پیٹ اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا ،وہ لوگ اس میں شریک نہیں تھے۔جب حکومت خود ہی کہتی ہے کہ یہ کام پاکستان کا ہے تو پھر کشمیری مسلمانوں کو کیوں مارا پیٹا گیا ؟یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے طلبہ اور مزدوری کرنے والے غریب کشمیری اتنا بڑا حملہ کیوں کر کرا سکتے ہیں ۔چوں کہ وہ لوگ مسلمان ہیں ،اس لیے ان پر ظلم وجبر کے لیے کوئی بہانہ چاہئے۔

ملک میں ایسا خوفناک ماحول بنایا گیا ہے کہ مظالم کے خلاف آواز اٹھانا بھی مشکل ہے۔جوبھی آواز بلند کرے ،اسے آتنک وادی کہنا اس زمانے کا فیشن بن چکا ہے ،یعنی مظلوم کی حمایت کرنا اور آتنک وادی ہونا دونوں ایک ہی بات ہے۔ظلم کرنا اور ظالموں کی حمایت کرنا دیش بھکتی ہے۔عجب حال ہو چکا ہے کہ ظالم کو وفادار اور مظلوم کو غدار کہا جاتا ہے۔یہ بھی تعجب خیز ہے کہ سخت ٹھنڈک میں بھی مظاہرے جاری ہیں۔

این آرسی (NRC) اور سی اے اے (CAA) ملک کو ہندو راشٹر بنانے کے لیے کافی ہے۔دلتوں اور آدی واسیوں کی شہریت ختم کردی جائے گی ،کیوں کہ ان کے پاس شہریت کو ثابت کرنے والے دستاویز نہیں ہوں گے ،پھر ان کو سی اے اے (CAA) کے ذریعہ شہریت دی جائے گی اور اس احسان کے بدلے ان سے ریزرویشن اور ووٹ کا حق چھین لیا جائے گا۔

مخالفین کے مظالم اور اختیار سبب کا حکم

جب مخالفین کی جانب سے کوئی مصیبت لائی جائے تو اس وقت بھی دفاع (Defence) کے لیے سبب کو اختیار کرنے کا حکم ہے:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ}(سورہ انفال: آیت ٦٠)

ترجمہ: اوران کے لیے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے۔

(کنزالایمان)

بدترین دشمنوں کی گہری سازشوں کے وقت محض توجہ الی اللہ کی تلقین اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔آفتوں کے اعتبار سے نجات ودفاع کے ظاہری اسباب کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔بندوں کی لائی ہوئی آفتوں سے محفوظ ہونے کے اسباب وذرائع کا ذکر دنیاوی علوم وفنون میں موجود ہوتا ہے۔علمائے کرام کو دنیاوی علوم وفنون سے بھی آراستہ ہونا ضروری ہے ،تاکہ وہ قوم کی صالح قیادت کرسکیں۔

باطنی قوتوں کا استعمال یا ظاہری سبب کو اختیار کرنا؟

حضور اقدس تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے جو فضائل ومراتب اور قوت وقدرت عطا فرمائی ہے،وہ انسانی عقلوں کی فہم وفراست سے بالاتر ہے۔نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کا صحیح علم ہمیں ہے،نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کردہ اختیار خداداد سے ہم کامل طور پر واقف ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روئے زمین پر رہ کر آسمان میں چمکنے والے چاند کے دوٹکڑے کر دیئے،اسی طرح اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تو میدان بدر میں جمع ہونے والے مشرکین مکہ کی جانب اشارہ فرماتے اور وہ سب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فنا ہو جاتے، لیکن مصیبتوں سے نجات ودفاع کے لیے قوت باطنی کا استعمال نہیں کیا جاتا، بلکہ ظاہری سبب کو اختیار کیا جاتا ہے،اور صبر کیا جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر ظلم وستم ڈھائے گئے،لیکن دفع ظلم کے واسطے قوت باطنی کا استعمال کبھی نہیں کیا گیا۔تبلیغ دین کے واسطے باطنی قوت کا استعمال ہوتا ہے اور نبی ورسول علیہم الصلوٰۃ والسلام معجزہ ظاہر فرماتے ہیں اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کرامتوں کا اظہار فرماتے ہیں،تاکہ لوگ دین خداوندی سے وابستہ ہو جائیں۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سید الشہدا حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطبیت کبریٰ کے منصب پر فائز ہوئے۔اللہ تعالیٰ روئے زمین کے معاملات قطب اکبر کے سپرد فرما دیتا ہے۔اگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی باطنی قوت کا استعمال فرماتے تو میدان کربلا میں یزید ی لشکر تباہ وبرباد ہو جاتا،لیکن خود کے اوپر آنے والی مصیبتوں سے نجات اور دفاع کے لیے باطنی قوت کا استعمال نہیں ہوتا۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور حضرات اولیائے کرام کی حیات طیبہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔قرون اولیٰ اور عہد مابعد میں قوم مسلم نے توجہ الی اللہ کے ساتھ ظاہری اسباب اور حکمت عملی اختیار کی،اور فائز المرام ہوئے۔

تبلیغ دین کے لیے باطنی قوتوں کا استعمال

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نہر فرات کے پانی پر پابندی لگائی گئی،اور حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے انا ساگر کے پانی پر پابندی عائد ہوئی۔حضرت غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مرید کو پیالہ دے کر بھیجا اور انا ساگر کا سارا پانی پیالہ میں آ گیا۔اب مخالفین پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے۔حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفقا نے نہر فرات سے پانی لانے کی کوشش کی،لیکن مشکیزوں میں تیر مار دیا گیا اور اہل بیت کے قافلہ تک پانی نہیں پہنچ سکا۔حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کرامت کا اظہار تبلیغ اسلام کی نیت سے فرمایا، تاکہ کفار ومشرکین اس کرامت کو دیکھ کر اسلام کی حقانیت وصداقت سے آشنا ہو جائیں اور دامن اسلام سے منسلک ہو جائیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین اسلام کی حقانیت سے آشنا اور اسلام کا کلمہ پڑھنے والے تھے۔وہاں اسلام کی حقانیت کے لیے اظہار کرامت کا کوئی معنی نہیں تھا، بلکہ ان مخالفین نے اپنی دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر ظلم وستم کا راستہ اختیار کیا تھا۔

یزید پلید کو خطرہ تھا کہ کہیں امت مسلمہ سبط پیمبر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کر لیں اور ہماری حکومت وبادشاہت ختم ہو جائے۔یزید پلید کو اپنی سلطنت وحکومت کے جانے کا خطرہ تھا،اور دوسرے عہدہ داروں کو خطرہ تھا کہ یزید ہم سے ہمارے عہدے نہ چھین لے۔ان لوگوں نے اپنے عہدوں کی حفاظت کے لیے اور دنیاوی جاہ وحشمت اور حکومت وسرداری کے لالچ میں آ کر اہل بیت پر ظلم وستم ڈھانے کا ارادہ کر لیا تھا۔حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین پر استقامت اور شریعت اسلامیہ کے تحفظ کے واسطے اپنی قربانی دینے کا قصد فرمایا،تاکہ مسلمانان عالم کو یہ درس مل جائے کہ دنیا کی خاطر دین فروشی کرنا غلط ہے اور جہاں پر دین ودنیا میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا مرحلہ درپیش ہو تو وہ دین کو اختیار کیا جائے اور دنیا کو ترک کر دیا جائے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مشن میں

کامیاب ہوئے ،اور اسی میدان کربلا میں بہت سے دیندار بندے اور خدا تعالیٰ کے فرماں بردار فوجی وسالار یزیدی لشکر کو چھوڑ کر اہل بیت کے قافلہ میں شریک ہو گئے ۔انہوں نے بھی اسی میدان کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔ عالم اسلام میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عملی پیغام کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی اور یزیدی نظریہ میدان کربلا میں دم توڑ گیا۔

اگر حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان کربلا میں دین ومذہب اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیتے تو ایک رواج قائم ہو جاتا کہ لوگ مصیبتوں کے وقت مذہب اسلام سے برگشتہ ہو جاتے ،لیکن آج سارے عالم اسلام کا حال یہ ہے کہ لوگ اپنی جان و مال اور آل واولاد قربان کر دیتے ہیں ،لیکن مذہب اسلام پر قائم رہتے ہیں ۔اسی مذہب کو اختیار کرنے کے سبب ان پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں ،وہ اپنی جان ومال سب کچھ قربان کر دیتے ہیں ،لیکن دین ومذہب پر مضبوطی اور قوت کے ساتھ جمے رہتے ہیں۔

قوم مسلم کو اس نظریہ سے بھٹکانے کی مسلسل کوشش ہوتی رہی ۔ دنیاوی مال ودولت کا لالچ دیا جاتا ہے۔ حکومت وعہدہ کی پیش کش کی جاتی ہے۔ جذبہ سرفروشی کو ختم کرنے کی پلاننگ کی جاتی ہے۔ یزیدی نظریہ کی طرف لانے کی کوشش کی جاتی ہے ،لیکن مسلمان اپنے مستحکم نظریہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ گرچہ کبھی کبھی چند جعفر وصادق منظرنامے پر نظر آجاتے ہیں ،لیکن تمام مسلمانوں کے جسم میں اسلامی روح گردش کرتی رہتی ہے۔

سی اے اے اور این آر سی کا مقصد اصلی مسلمانوں کو اسلام سے بیگانہ کرنا ہے۔ جب شہریت ختم ہو جائے گی تو ان کو کسی دوسرے ملک جانے کی اجازت نہیں ہوگی ، بلکہ ڈٹنشن سنٹر یعنی دنیاوی جہنم میں رہنا ہوگا، یا پھر اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو اپنانا ہوگا۔

سبب باطن کا حکم عام

سبب باطن کی مختلف صورتیں ہیں ۔فرائض اربعہ : نماز، روزہ ،حج وزکات ،تسبیح وتہلیل ،اوراد ووظائف ،ذکر ودعا ،صدقات وخیرات اور وہ تمام امور جو رضائے الٰہی کے لیے انجام دیئے جاتے ہیں ،وہ تمام اسباب باطنی میں شامل ہیں ۔ مستقبل کے بارے میں کسی کام کے قصد وارادہ کا اظہار کیا جائے تو ان شاء اللہ کہنا چاہئے ،جب کوئی اہم کام شروع کیا جائے تو بسم اللہ کہنا چاہئے۔

یہ تمام امور سبب باطنی ہیں ،لیکن جن امور میں سبب باطن کے ساتھ ظاہری اسباب کو اختیار کرنے کا حکم بھی ہے ،وہاں صرف سبب باطن پر اکتفا کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ظاہری سبب کو ترک کرنے اور خموشی اختیار کرنے کی وجہ سے مخالف کے دل سے ہماری ہیبت ختم ہو جاتی ہے اور مخالفین کے دلوں سے ہماری ہیبت کا ختم ہو جانا ہم پر ظلم وستم کی راہ ہموار کرتی ہے۔ ہماری تباہی وبربادی کے اسی سبب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اور ہم لوگ لاشعوری طور پر اسی بلا میں مبتلا ہو چکے ہیں ۔اب ہمیں اس بلا سے نجات کی راہوں کو تلاش کرنا ہوگا۔

{عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :یُوْشِکُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعَی عَلَیْکُمْ کَمَا تَدَاعَی الْاَکَلَۃُ اِلٰی قَصْعَتِہَا-فَقَالَ قَائِلٌ :وَمِنْ قِلَّۃٍ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ ،قَالَ :بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ کَثِیْرٌ وَلٰکِنَّکُمْ غُثَاءٌ کَغُثَاءِ السَّیْلِ ،وَلَیَنْزِعَنَّ اللّٰہُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّکُمُ الْمَہَابَۃَ مِنْکُمْ وَلَیَقْذِفَنَّ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمُ الْوَہَنَ-فَقَالَ قَائِلٌ :یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وَمَا الْوَہَنُ؟ قَالَ :حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاہِیَۃُ الْمَوْتِ}

(سنن ابی داؤد ص ۵۹۰)

﴿ت﴾ حضور اقدس سرور دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قریب ہے کہ (غیر مسلم) قومیں تم پر ٹوٹ پڑیں گی ، جیسے کھانے والے اپنے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں ،پس ایک صحابی نے عرض کیا ۔کیا اس وقت ہماری قلت کی وجہ سے؟ (غیر مسلم قومیں ہم پر ٹوٹ پڑیں گی؟) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلکہ اس وقت تم لوگ زیادہ ہو گے ،لیکن تم لوگ جھاگ کی طرح ہو گے جیسے سیلاب کا جھاگ ہوتا ہے ،اور رب تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا ،پس ایک سائل نے دریافت کیا کہ

کمزوری کیا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی۔

حدیث مذکورہ میں صریح لفظوں میں بتایا گیا کہ اپنے زوال کے وقت بھی مومنین کثیر تعداد میں ہوں گے۔ صحابی نے قلت تعداد کا سوال کیا تو بتایا گیا کہ اس وقت بھی مسلمان کثیر تعداد میں ہوں گے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوگیا کہ کثرت تعداد کے باوجود مسلمانوں میں ہمت وجرأت کا فقدان ہوگا، جس کی وجہ سے مخالفین کے دلوں سے ہماری ہیبت ختم ہوجائے گی۔

اس کی بڑی مثال ہسپانیہ کی شکست اور خلافت عثمانیہ کی بربادی ہے۔ ان دونوں مواقع پر قوم نصاریٰ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی تھی، اور ہماری ناکامی بھی ہوئی، کیوں کہ وہاں باہمی اختلاف کے سبب مسلمانوں کی ہیبت ختم ہوچکی تھی۔

سلطان نورالدین زنگی (۵۱۱ھ-۵۶۹ھ-۱۱۱۸ء-۱۱۷۴ء)، سلطان صلاح الدین ایوبی (۵۳۲ھ-۵۸۹ھ-۱۱۳۷ء-۱۱۹۳ء) وغیرہما کے عہد میں بھی عیسائی سلاطین نے مسلمانوں پر حملے کیے ہیں، لیکن ان جنگوں میں مسلمانوں نے جرأت وجواں مردی کی نادر ونایاب مثالیں پیش کی تھی، اور دشمنوں کو خاک چاٹنے پر مجبور کیا تھا۔ اس موقع پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کی نوع بہ نوع کوششیں ہوئیں، لیکن مخالفین کو کامیابی نہیں ہوئی۔ آج ہمیں اتحاد کے ساتھ ان وسائل کو اپنانا ہوگا جو غیروں پر ہیبت پیدا کرسکے۔

بھارتی مسلمانوں نے ان تمام وسائل واسباب کو ترک کردیا جن کی وجہ سے غیروں پر ہیبت پیدا ہوسکے۔ ہم نے حکومت کے تمام اہم شعبہ جات سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اسمبلی وپارلیامنٹ، عدالتی شعبہ جات، محکمہ پولیس اور فوج کا محکمہ، کالج ویونیورسٹی ودیگر اہم شعبہ جات سے ہماری دستبرداری نے ہمیں انتہائی ضعف ونقاہت کی منزل پر لاکھڑا کیا۔ میڈیا کی افواہوں اور غلط بیانیوں نے ہماری شکل مسخ کردی۔

ظاہری سبب کا ترک اور اس کا نقصان

سی اے اے اور این آر سی کے خلاف مظاہروں کے درمیان پولیس والوں نے دو درجن سے زائد مظاہرین کو گولیوں سے ہلاک کردیا اور یوپی میں ہزاروں مسلمانوں پر جھوٹے مقدمات درج ہوئے اور جرمانہ بھی عائد کردیا گیا۔ بلند شہر کے مسلمانوں نے قریباً سات لاکھ روپے جرمانہ ادا کیا۔ جب کورٹ جانے کا مشورہ دیا گیا تو مسلمانوں نے کہا کہ کورٹ میں بھی انہی کے لوگ ہیں، یعنی ہمارے حق میں فیصلہ مشکل ہے۔

اگر یہی حقیقت آزادی ہند کے وقت سمجھ لیتے تو شاید بھارت کا منظر نامہ کچھ اور ہوتا۔ آر ایس ایس نے اس حقیقت کو سمجھا اور حکومت کے تمام شعبہ جات میں اپنے لوگوں کو بھرنے کی کوشش کی۔ آج حکومت کے تمام اہم محکموں میں آر ایس ایس کے ممبران ہیں۔ صدر جمہوریہ اور وزیراعظم کا تعلق بھی آر ایس ایس سے ہے۔

جمہوری نظام میں آپ کے حقوق اسی وقت آپ کو مل سکتے ہیں، جب حکومتی شعبہ جات میں آپ کے لوگ اہم عہدوں پر براجمان ہوں۔ قوم مسلم مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں داخل وشامل ہونے کی کوشش کرے۔ ان شعبہ جات سے بے دخل ہونا، درحقیقت اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ ہلاکت کے اسباب کو ہم نے خود سے اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

{وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ}

(سورہ بقرہ: آیت ۱۹۵)

ترجمہ: اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ (کنز الایمان)

بھارتی مسلمانوں کو ضروری دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم میں بھی آگے آنا ہوگا، حکومتی محکمہ جات میں شمولیت کا ذریعہ دنیاوی تعلیم ہے۔ اب مدارس اسلامیہ کی طرح جابجا اسکول وکالج بھی قائم کیے جائیں۔ مدارس اسلامیہ کے نصاب میں بھی عصری علوم وفنون شامل کیے جائیں۔ سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) نے اس جانب توجہ دلائی تھی اور اسی مقصد کی تکمیل کے واسطے مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کو قائم کیا۔ سرسید کے مذہبی افکار سے ہمیں اختلاف ہے، لیکن قومی فلاح کے لیے اس کے اقدامات یقیناً قابل توجہ ہیں:

((خذ ما صفا ودع ما کدر))

احتجاجی تشدد پر دوہرا سلوک کیوں؟

مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی، ایڈیٹر: سواد اعظم (دہلی) رکن: روشن مستقبل (دہلی)

gmnaimi@gmail.com

حقوق انسانی کے عالمی منشور میں حقوق اقلیت (Rights of minorities) میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ:

"سارے انسان وقار اور حقوق میں برابر ہیں"۔

ہمارے ملک میں بھی دستور ہند کے بنیادی حقوق کے تحت اقلیتوں کے مذہب، زبان اور نسل وتعلیم کی حفاظت برابری کا اعلان کیا گیا ہے۔ قانون کی رو سے حکومت کسی بھی طرح کا امتیاز نہیں کر سکتی، اسی لیے ملک کے حکمران ہوں یا عہدے داران، دستور (constitution) پر حلف اور دستور کی حفاظت کا عہد لیتے ہیں ،لیکن آزادی کے بعد سے ہی ملک میں نفاذِ قانون پر دوہرا معیار اپنایا گیا۔ قوانین کا اطلاق اقلیت واکثریت کے پیمانے پر ہوتا رہا، یہاں تک کہ اقلیتیں اور خصوصاً مسلمان ہر میدان میں اسی امتیازی تفریق کا شکار ہوتے رہے۔

نوبت یہاں تک آگئی کہ اب حکومتی اہلکار کھلے عام ظلم وزیادتی پر اتر آئے ہیں۔ حالیہ وقت میں متنازعہ شہریت قانون سی اے اے (CAA) کے خلاف ملک کی عوام نے بلاتفریق مذہب احتجاج کیا۔ احتجاجی دائرہ جب مسلم اکثریتی علاقوں میں پہنچا تو کئی احتجاجی مظاہرے پر تشدد ہوگئے، جس میں جان و مال کے ضیاع کے ساتھ عوامی املاک کا بھی نقصان ہوا۔

یہ بات بھی نوٹ کیے جانے لائق ہے کہ جن صوبوں میں غیر بی جے پی پارٹیاں برسرِ اقتدار ہیں، وہاں لاکھوں افراد کے مظاہرے بھی پرامن اور تشدد سے پاک رہے، لیکن بی جے پی زیر اقتدار ریاستوں میں محض سو دو سو افراد کے مظاہرے بھی تشدد کی زد میں آگئے۔

پر تشدد مظاہروں میں اتر پردیش سرِ فہرست ہے۔ صوبے کے دارالحکومت لکھنو سمیت سنبھل، نہٹور (بجنور)، مظفر نگر، رامپور، امروہہ، ہاپوڑ، علی گڑھ، میرٹھ، کانپور وغیرہ میں جم کر تشدد ہوا۔ اسی تشدد کا سہارا لے کر پولیس انتظامیہ نے کھل پر مذہبی تعصب اور مسلم دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مظاہرین پر گولیاں چلائیں، جس کے باعث قریب 20: افراد شہید ہوگئے۔

ظلم پر ظلم یہ کہ مسلمانوں پر ہی دنگا وفساد کے مقدمات دائر کر کے ہزاروں افراد کو گرفتار کیا گیا۔ اب انہیں مظلوموں پر عوامی املاک کی بربادی کا الزام لگا کر ہرجانہ وصولی کے نوٹس جاری کئے جا رہے ہیں۔

چند بڑے احتجاجی تشدد

بھارت میں احتجاجی مظاہروں کا پر تشدد ہو جانا کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ بھارت کی کچھ قوموں کے احتجاج کا مطلب تشدد اور لوٹ مار ہی ہوتا ہے، لیکن چوں کہ اُن سب مظاہرین کا تعلق ہندو قوم سے ہوتا ہے، اِس لیے لاکھوں کروڑوں کا نقصان اور پولیس کا جم کر پٹنا بھی میٹھی گولی کی طرح ہضم کر لیا جاتا ہے، لیکن اگر مظاہرین مسلمان ہوں تو یہی پٹی ہوئی پولیس ایک دم سے بہادر ہو جاتی ہے۔

ایک نظر پچھلے چند سالوں کے احتجاجی مظاہروں پر ڈالتے ہیں، تاکہ موجودہ احتجاجی تشدد پر واویلا مچانے والوں کا اصلی چہرہ سامنے آسکے!!

مئی 2015 میں راجستھان کی گوجر برادری نے ریزرویشن کی مانگ کو لے کر احتجاج شروع کیا۔ ان مظاہرین نے

ریلوے ٹریک اور بس اڈوں پر سات دنوں تک قبضہ جمائے رکھا۔208. ٹرینیں رد کی گئیں۔ 141 ٹرینوں کے روٹ بدلے گئے، جس کے باعث قریب 200: کروڑ کا نقصان ہوا۔

فروری 2016 میں ہریانہ کے جاٹوں نے ریزرویشن کے لیے احتجاج شروع کیا۔امیدوں کے مطابق احتجاج تشدد میں بدل گیا۔ 7: ریلوے اسٹیشنوں کو تباہ کردیا گیا، جس کے باعث 800: ٹرینیں رد کرنا پڑیں۔کئی بس اڈوں اور سرکاری دفتروں میں آگ لگادی گئی۔سڑکوں کو کھود کر گڈھے بنا دئے گئے۔1000 سے زیادہ گاڑیاں 500: سے زائد دکانیں نذر آتش کردی گئیں۔

کئی شاپنگ مالس میں آگ لگائی گئی۔ بھارت پاکستان کے مابین چلنے والی سمجھوتا ایکسپریس کو روکا گیا۔سونی پت میں مال گاڑی میں آگ لگائی گئی-جیند میں سابق وزیر ستیہ نارائن کے ساتھ مار پیٹ کی گئی۔گنور ایس ڈی ایم (SDM) کی گاڑی کو آگ لگائی گئی۔ دہلی کو پانی سپلائی کرنے والی منف نہر کو بند کردیا گیا، جسے آرمی نے جاکر کھلوایا۔مسافروں کے ساتھ لوٹ مار اور خواتین کے ساتھ جنسی زیادتی تک واقعات ہوئے، لیکن حکومت وانتظامیہ کانوں میں تیل ڈالے سوتی رہی۔

رام رحیم نامی بابا کو زنا وقتل کیس میں سزا سناتے ہی ڈیرا بھکتوں کے احتجاج میں جم کر بوال ہوا۔آج تک اور ٹائمز ناؤ نیوز چینل کی اوبی وین پھونک دی گئیں۔ پنجاب کے مانسا اور ملوٹ ریلوے اسٹیشن پر آگ لگادی گئی جس کے باعث فیروز پور ڈویژن کی 124: ٹرینیں رد ہوئیں۔

فاضلکا اسٹیشن پنجاب میں فیروز پور ڈپو کی بس کو نذر آتش کیا گیا۔سنگرور میں بجلی گھر کو ہی آگ لگادی گئی۔پنچکولہ ہریانہ میں 100: سے زیادہ گاڑیوں میں آگ لگادی گئی۔

ذرا سوچیں !!

* ہفتے بھر تک گوجر مظاہرین ریلوے اسٹیشن اور بس اڈوں پر اودھم مچاتے رہے۔9: دنوں تک جاٹ قوم کے فسادو آگ زنی کے واقعات میں قریب 34: ہزار کروڑ کا نقصان ہوا۔اس احتجاجی تشدد کے نقصان کی بھرپائی کے لیے ہریانہ حکومت نے "نیشنل ڈجاسٹر مینج مینٹ اتھارٹی'' (NDMA) سے ایک ہزار کروڑ روپے کی امداد مانگی، تاکہ عوامی املاک کی مرمت وتعمیر کرائی جاسکے۔

رام رحیم کے ڈیرا بھکتوں نے ہفتوں تک سڑکوں پر تشدد مچایا۔ہفتوں تک عوامی نقل وحمل بند رہی، سڑکوں کو کھودا گیا، اسٹیشنوں کو تباہ کیا گیا،لیکن حکومت اور پولیس والوں کی ہمت نہیں ہوئی کہ مظاہرین کو قانون کی طاقت کا احساس کراتے ،لیکن یہ پولیس مسلمانوں کو دیکھتے ہی گولی بندوق سے بات کرتی ہے۔

اس پولیس کی بندوق اور ہمت نہتھے مسلمانوں پر کام کرتی ہے،حالاں کہ اُس وقت ہریانہ وراجستھان میں بی جے پی کی حکومت تھی، مگر تب بی جے پی کو اپنا فرض اور عوامی املاک کی تباہی کا خیال نہیں آیا،لیکن یوپی اور دہلی میں اسی بی جے پی کے اشاروں پر پولیس کا انتہائی ظالمانہ چہرہ سامنے آیا، جس کو تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔

تشدد کی وجوہات اور پولیس کی سفاکیت

آئین کی دفعہ (1)19 کے تحت حکومت کے کسی بھی قانون سے عدم رضامندی کا اظہار ہر بھارتی شہری کا آئینی اور بنیادی حق ہے۔ اس کا جمہوری طریقہ احتجاجی مظاہرہ بھی ہے-سی اے اے (CAA) مخالف مظاہرین میں عدم اعتماد اس وقت پیدا ہوا جب پولیس نے قریب تمام ہی اضلاع میں دفعہ 144 لگا کر ہر قسم کے احتجاج پر پابندی عائد کردی ،جس کے باعث عوامی غصہ مزید بڑھ گیا۔اس کے علاوہ کچھ اسباب یہ ہیں:

احتجاجی جلوسوں کو جابجا روک کر پولیس اہلکاروں نے نہایت سخت زبانی اور بدکلامی کا مظاہرہ کیا،نتیجتاً مظاہرین اور پولیس میں ٹکراؤ ہوا۔

پرامن جلوسوں میں بعض ایسے اجنبی افراد بھی مظاہرین میں داخل ہوئے جنہوں نے تشدد کا آغاز کیا۔ایک وائرل وڈیو میں بی جے پی کے جھنڈے والی گاڑی سے مظاہرین پر پتھراؤ کیا گیا۔

جس سے مظاہرین بھڑک گئے۔

اکثر مقامات پر پولیس نے مظاہرین سے ذرا بھی انسانی لب و لہجہ میں بات نہیں کی، بلکہ بدکلامی کرتے ہوئے "مقدمہ کرنے اور ہاتھ پیر توڑ دینے" جیسی غیر دستوری زبان استعمال کی- انہیں وجوہات کی بنا پر بعض مقام پر عوام بھی مشتعل ہوگئی۔

پولیس چاہتی تو بغیر نقصان پہنچائے بھی مظاہرین کو روک سکتی تھی ،لیکن نہتھے اور کمزور مسلمانوں کو دیکھ کر پولیس نے لاٹھی چارج ،آنسو گیس اور گولیوں کا استعمال کیا۔ اب اس بہادر پولیس نے 498: لوگوں کو نامزد کر کے قریب 74: لاکھ روپے کی ریکوری کے نوٹس بھیجے ہیں۔

ایک طرف جاٹوں کے تشدد میں 34: ہزار کروڑ کا نقصان ہوا، لیکن ہریانہ کی بی جے پی حکومت اور بہادر پولیس خاموش تماشائی بنی رہی ،لیکن مسلمانوں کے سامنے آتے ہی حکومت و پولیس کو قانون و قاعدے بھی یاد آ گئے اور نہتھے مسلمانوں پر بہادری دکھانے کا جذبہ بھی واپس آ گیا۔

پولیس کی سفاکیت کے چند نمونے دیکھیں:

مظفر نگر میں پولیس نے قریب 30: گھروں میں گھس کر توڑ پھوڑ کی اور قریب 50: سی سی ٹی وی (cctv) کیمرے توڑ دئے۔

نہٹور (بجنور) میں محمد انس اور سلیمان نامی دو نوجوان گولی سے ہلاک کر دئے گئے۔ سلیمان کی عمر محض 20: سال کی تھی اور سِوِل سروسز (UPSC) کی تیاری کر رہا تھا، جب کہ سلیمان اپنے سات مہینے کے بیٹے کے لیے دودھ لانے گیا تھا۔ بنارس میں پولیس نے مظاہرین پر انتہائی بے رحمی سے لاٹھی چارج کیا۔

نابالغ بچوں پر بھی لاٹھیاں برساتے پولیس والوں کو رحم نہ آیا، جس کی وجہ سے قریب 20: لوگ موقع پر ہی بے ہوش ہو گئے اور آٹھ سالہ صغیر کی موت ہو گئی۔ سنبھل میں شہروز اور بلال نامی نوجوان گولی لگنے سے جاں بحق ہو گئے ،لیکن ابھی تک پوسٹ مارٹم رپورٹ نہیں دی گئی ہے۔ مظفر نگر میں مدرسہ حوزہ علمیہ میں گھس کر طلبہ کو بری طرح زدو کوب کیا اور 65: سال کے معمر استاذ کو نہایت بے رحمی سے مارا پیٹا۔

لکھنو میں ریٹائرڈ آئی پی ایس ، ایس آر دارا پوری اور میگسیسے ایوارڈ یافتہ سندیپ پانڈے جیسے حقوق انسانی کارکنوں کو سخت دفعات میں گرفتار کیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ اس نے دفاع میں گولی چلائی ،لیکن سوال یہ ہے دفاع میں گولی چلانا مجبوری تھی تو سینے پر کیوں چلائی ، پیروں پر کیوں نہیں؟ لکھنو پولیس کا تعصب اس قدر تھا کہ انگریزی اخبار The Hindu کے صحافی عمر رشید کو صرف کشمیری ہونے کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا ، بعد میں Ndtv کے رپورٹر آلوک پانڈے نے افسران سے مسلسل بات کی ،تب جا کر دو گھنٹے بعد رہا کیا۔

اب پولیس عوامی املاک کی بربادی کے لیے مظاہرین سے ہرجانہ وصول کرنا چاہتی ہے،لیکن جن مکانوں میں پولیس نے توڑ پھوڑ کی ہے، ان کا ہرجانہ کون دے گا؟ جو لوگ پولیس کی گولیوں سے مارے گئے ہیں ،ان کے اہل خانہ کی تسلی کون کرے گا؟

آخر cctv کیمرے کس لیے توڑے گئے۔ کیا کیمروں میں اپنی کرتوتوں کے ریکارڈ ہونے کا ڈر تھا؟ کہانی تو کچھ یونہی دکھائی دے رہی ہے، مگر انصاف پسند لوگوں کے لیے وہ ویڈیوز ہی کافی ہیں جو پبلک میں وائرل ہوئے ہیں ،بس اب ضرورت یہ ہے کہ قوم مسلم (یا وہ مظلوم جن کے ساتھ یہ ہوا ہے) ،ان کو محفوظ رکھیں اور کورٹ جانے کی تیاری کریں۔

اگر دو چار پولیس والوں کو ہی جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا تو سمجھ لیجیے کہ آپ نے اشاروں پر چلنے والی پولیس کو آدھا مفلوج کر دیا۔ اگر اتنا نہ ہو تو کم از کم جب تک کیس کی سماعت ہو رہی ہے ،ملازمت سے فارغ کر دیے جائیں، یہ بھی ان کے لیے موت سے کم نہ ہو گا۔ ان ویڈیوز کو ان تحریکوں تک پہنچائیں جو ان معاملات میں پیش پیش ہیں، امید کا دامن تھامے رہیں، کیوں کہ:

ان اندھیروں کا جگر چیر کے نور آئے گا
یہ ہیں فرعون تو موسیٰ بھی ضرور آئے گا

آسام میں این آر سی کے مضر اثرات

مولانا محمد زاہد المرکزی (کالپی شریف)

آسام میں این آر سی (قومی شہریت رجسٹر) کی مانگ 1980 میں شروع ہوئی۔ اس عمل کی مانگ تشدد پسند طبقہ اس لیے کرتا رہا کہ انھیں لگتا تھا کہ بنگلہ دیش کے وجود کے بعد 1971 میں کافی تعداد میں بنگلہ دیشی بھارت میں داخل ہو گئے ہیں، جس سے ان کی ثقافت، معیشت اور معاشرے میں خرابی پیدا ہوگی، مثلاً لاکھوں کی تعداد میں جو لوگ آئے، وہ ملازمت کریں گے۔ جہاں ہمارے لوگ ملازمت کرتے، وہاں اب یہ لوگ بھی دعویٰ پیش کریں گے۔

جہاں ہمارے آسامی لوگ محنت مزدوری کرتے تھے، اب وہاں ان کا حصہ بھی ہوگا۔ وغیرہ۔ 1979 میں غیر آسامی لوگوں کے خلاف آواز اٹھی۔ جنوری 1980 میں پہلا میمورنڈم "آل آسام اسٹوڈنٹ یونین" (AASU) نے پیش کیا۔ 1985 میں اس وقت بھارت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی اور آسام کے وزیر اعلیٰ پرفل کمار مہنت کے درمیان سمجھوتہ ہوا۔ اسی سمجھوتہ کے تحت آسام کے باشندوں کو اپنی شہریت ثابت کرنے کے لیے کہا گیا۔

پہلے کہا گیا کہ جن لوگوں کے نام 1951 کے ووٹر لسٹ میں ہیں یا جو 1966 سے آسام میں رہ رہے ہیں، انہیں اور ان کے اہل خانہ کو بھارت کا شہری تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر اس میں ترمیم کی گئی اور کہا گیا کہ جو 24 مارچ 1971 یعنی بنگلہ دیش کی آزادی یا تشکیل سے ایک دن پہلے سے آسام میں سکونت پذیر ہیں، وہ اور ان کے اہل خانہ ہندوستان کے شہری ہوں گے۔

اس وقت این آر سی کے عمل کی حمایت اس زور سے ہوئی کہ فسادات پھوٹ پڑے، اور ان فسادات میں 800: سے زائد موتیں ہوئیں۔ ان تمام امور کو دیکھ کر اس وقت کی کانگریسی حکومت نے این آر سی کرانے کی مانگ منظور کر لی۔ عمل شروع ہوا، حکومتیں بدلتی رہیں، لیکن این آر سی کے عمل میں تیزی نہ آسکی۔

1997 میں الیکشن کمیشن نے کئی ہزار لوگوں کے ووٹر کارڈ میں ڈاؤٹ فل (مشکوک) لکھا۔ 1999 میں حکومت نے اس کے متعلق بیان دیا۔ 2005 میں وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے آسام حکومت اور (AASU) سے ملاقات کی اور این آر سی پر تبادلہ خیال کیا۔ 2009 میں آسام پبلک ورک نامی تنظیم (APW) نے سپریم کورٹ میں این آر سی پر اپیل کی، وقت گزرتا گیا اور 2013 میں سپریم کورٹ نے اسی تنظیم کی اپیل پر سماعت کرتے ہوئے این آر سی کے لیے حکم نامہ جاری کر دیا۔

آرڈر کے بعد عمل دوبارہ شروع ہوا۔ 2014 میں بی جے پی کو مرکزی حکومت ہاتھ لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً سارے ہندوستان میں بھاجپا چھا گئی۔ این آر سی کا عمل بی جے پی کا خاص مدعا رہا ہے، اس لیے تیزی کے ساتھ اس عمل کو مکمل کرنے کی ہدایات جاری ہوئیں۔ پچاس ہزار سے زائد عملہ سولہ سو کروڑ کے خرچ کے بعد 30 جون 2018 کو تین سالوں میں اپنی کارکردگی پیش کر سکا جس میں قریب چالیس لاکھ لوگ این آر سی کی لسٹ سے باہر ہوئے۔

اس پر ہنگامہ ہوا، کیوں کہ بہت ہی فاش غلطیاں ہوئیں تھیں، جیسے سابق صدر فخر الدین علی احمد کے خاندان کے لوگ بھی لسٹ سے باہر ہو گئے۔ فوجی افسران، حکومتی ملازم، خود بی جے پی کے ودھایک تک کے نام غائب تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ باپ کا نام

ہے، بیٹے کا نہیں، یا ماں کا ہے، بیٹی کا نہیں۔ حکومت نے فائنل لسٹ آنے تک لوگوں کو انتظار کرنے کو کہا۔

ستمبر 2019 میں فائنل لسٹ جاری ہوئی، جس میں 19 لاکھ 6 ہزار 657 لوگ باہر ہوئے۔ جس میں قریب پانچ لاکھ مسلم اور چودہ لاکھ غیر مسلم شامل ہیں۔ چوں کہ بی جے پی کے قول اورمرضی کے مطابق یہ تعداد کم تھی، نیز غیر مسلم زیادہ باہر ہوئے ،جب کہ انھیں لگتا تھا کہ مسلم زیادہ باہر ہوں گے تو یہ چال الٹی پڑ گئی اور تب بی جے پی نے CAA لانے کا وعدہ کیا، تاکہ ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں کو شامل کیا جاسکے، ساتھ ہی انھیں خاموش بھی رکھا جاسکے لیکن معاملہ اب بھی پیچیدہ بنا ہوا ہے۔

اب ذرا آسام میں نقصان اور فائدے کی بات کر لیتے ہیں اور یہ بھی جان لیتے ہیں کہ اب وہاں کے لوگ کیا اس این آر سی سے خوش ہیں؟؟؟ بی بی سی اردو کی یہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیں

شہریت کس طرح طے کی جاتی ہے؟

آسام میں جو شخص 24 مارچ 1971 سے پہلے ریاست میں آباد تھا، اسے شہری تسلیم کیا گیا ہے، لیکن اسے 1951 سے لے کر اب تک اپنے خاندان کے سبھی افراد، اپنے والدین اور ان کے والدین کی رہائش کا بھی ثبوت دینا پڑا ہے۔ یہ کام غریب اور ناخواندہ باشندوں کے لیے انتہائی مشکل عمل رہا، کیوں کہ ان میں سے بیشتر کے پاس سوائے ووٹر لسٹ کے کوئی دوسرا ثبوت حاصل کرنا مشکل تھا۔ ووٹر لسٹ میں ناموں کے حروف تہجی میں عموماً غلطی رہتی ہے۔ بہت سے لوگوں کے نام شہریت کی فہرست سے صرف نام کی غلطی یا پورا نام نہ دینے کے سبب خارج ہو گئے۔

شہریت ثابت کرنے کے لیے زمین کی ملکیت کے کاغذات، پیدائش کا سرٹیفکیٹ، گورنمنٹ سکول سرٹیفکیٹ، بینک اکاؤنٹ، ملازمت کے کاغذات، شادی کے سرٹیفکیٹ، پرانی ووٹر لسٹ جیسے کاغذات داخل کرنے تھے۔ پورے ملک میں این آر سی شروع کرنے سے پہلے شہریت کی ایک کٹ آف ڈیٹ مقرر کرنی ہوگی یعنی ایک مخصوص تاریخ اور سال طے کرنا پڑے گا۔

(بی بی سی نیوز اردو)

ڈٹینشن کیمپ اور حکومت کی غلط بیانی

ہندوستان ٹائمس کے مطابق رکن پارلیامان عبد الخالق کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے رائے نے نچلے ایوان کو بتایا کہ 181: غیر ملکی قرار دیے گئے، اور 44: سزایافتہ غیر ملکیوں نے آسام میں نظر بندی میں تین سال سے زیادہ وقت پورا کرلیا ہے۔ قیدی کی رہائی سے متعلق عبد الخالق کے ایک خاص سوال کا جواب دیتے ہوئے رائے نے کہا کہ حراستی مراکز میں تین سال سے زیادہ وقت پورا کرنے والے 128 قیدیوں کو اس سال 10: مئی کے سپریم کورٹ کے حکم کی تعمیل میں رہا کیا گیا ہے۔ 3: سال پورے کر چکے قیدیوں کی رہائی ہوئی ہے۔

رام لیلا میدان سے وزیر اعظم کہتے ہیں کہ کوئی ڈٹینشن سنٹر نہیں ہے، جب کہ مذکورہ رپورٹ خود حکومتی جھوٹ کی دھجیاں اڑا رہی ہے۔ ڈٹینشن کیمپوں کی جو تصاویر آئی ہیں، وہ خوفناک ہیں۔ ایک ایک کمرے میں پچاس سے زائد لوگ ایک دوسرے کے اوپر پیر رکھ کر کچھ دیواروں کے کناروں پر رسیاں باندھ کر سو رہے ہیں۔ جو لوگ ملنے جاتے ہیں، انھیں ملنے نہیں دیا جاتا۔

اہل خانہ اور رشتہ داروں کی ملاقات ہی بڑی مشکل سے ہوتی ہے، ساتھ ہی یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ ڈٹینشن کیمپ میں بسکٹ کا پیکٹ تک نہیں دے سکتے۔ ٹوائلٹ کی کمی کا یہ حال ہے کہ کئی گھنٹوں بعد آپ کا نمبر آتا ہے۔ باہر گارڈ ہیں جو آپ کو ملنے نہیں دیتے اور اندر آپ زندگی سے ہار جاتے ہیں۔ کتنے لوگ وہاں مر رہے ہیں، صحیح خبر مشکل ہے۔ رپورٹس کے مطابق اب تک 29 لوگوں کی موت ہو چکی ہے۔ کھانا ایسا کہ صرف پیٹ بھرا جاسکے۔

ڈٹینشن سنٹر کی یہ تصویر عراق کی بدنام زمانہ جیل "ابو غریب" جیسی ہی لگتی ہے۔ جو لوگ ڈٹینشن کیمپوں میں رہ کر آئے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہم خودکشی کرلیں گے لیکن ڈٹینشن سنٹر نہیں

جائیں گے۔ ایک ویڈیو دیکھا جس میں کچھ پولیس والے زبردستی کھینچ کر ایک بچے کو ڈیٹینشن سنٹر لے جارہے ہیں، گھر والے رو رہے ہیں، بچہ جانے کو تیار نہیں ہے، لیکن لے جاتے ہیں، کیوں کہ اس کا نام این آرسی کی فائنل لسٹ میں نہیں آیا۔ این آرسی میں ایسے لوگوں کے نام بھی نہیں آئے جو ہندوستانی فوج میں ملازمت کر رہے ہیں، یا کر چکے ہیں۔

تعجب تو یہ ہے کہ سابق صدر جمہوریہ فخرالدین علی احمد کے اہل خانہ اور بی جے پی ودھایک تک کا نام این آرسی کی فائنل لسٹ میں نہیں آیا۔ جو لوگ یہ سوچ رہے ہیں کہ محض کاغذات کی بنا پر وہ شہریت پالیں گے، انھیں مذکورہ بالا شخصیات سے سبق لینا چاہیے۔

یہاں تک تو این آرسی کام کرے گا، لیکن اس کے بعد سی اے اے کے ذریعے چھ قوموں، کو شہریت دی جائے گی، لیکن مسلمان اس سے باہر ہی رہیں گے، اس لیے اسے سمجھیں اور ہر ممکن کوشش پرامن احتجاج کے لیے کریں اور کرتے رہیں۔

ڈیٹینشن سنٹر اور NRC فضول کیوں؟

آسام NRC میں کل آبادی کا چھ فیصد یعنی 19: لاکھ سے زیادہ لوگ اپنی شہریت ثابت نہیں کرپائے۔ ایک ایسا صوبہ جس کی آبادی تین کروڑ ہے، وہاں 19: لاکھ باہر ہوگئے۔ اگر اسی تناسب کو ملکی پیمانے پر دیکھا جائے تو ساڑھے سات سے دس کروڑ لوگ باہر ہوجائیں گے ۔ اب ان میں سے اگر پچاس یا ساٹھ فیصد کو بھی CAA کے ذریعے شہریت دی جائے، تب بھی تین/ چار کروڑ لوگ کو " گھس پیٹھیا" ثابت ہوں گے۔ آسام میں بن رہے ایک ڈیٹینشن کیمپ کا خرچ چھیالیس کروڑ ہے۔

آسام کے ہوم منسٹر کے مطابق آسام میں ابھی تک چھ ڈیٹینشن سنٹر بنائے گئے ہیں۔ ایک ڈیٹینشن کیمپ میں تین ہزار لوگوں کو رکھا جائے گا۔ صرف آسام کے 19: لاکھ سے زائد افراد کے لیے آپ کو 27: ہزار کروڑ روپے خرچ کرنے ہوں گے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اتنی بڑی رقم ان لوگوں کے رہنے کے لیے خرچ ہوگی جو ملک کے نہیں ہیں، پھر ان کے لیے پانی، کھانا، دوا، ٹوائلٹ، غسل خانے، سردی، گرمی کے کولر، پنکھے، لائٹ، ون وبھاگ کی زمین کا خرچ الگ ہے۔

یہ سب کرنا پڑے گا، کیوں کہ ہیومن رائٹس (Human rights) اور دیگر ادارے آپ کی فراہم کردہ سہولیات کا جائزہ لینے وقتاً فوقتاً آتے رہیں گے۔ گویا ملک میں ایک چھوٹا سا دیش بسایا جائے گا، وہ بھی صرف اس لیے کہ ہندو مسلم اتحاد نہ رہے، آپس میں محبتیں نہ رہیں، نفرتوں کے سوداگر اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے غالب نے کہا تھا:

احمقوں کی کمی نہیں غالب ایک ڈھونڈھو ہزار ملتے ہیں.

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا

ہمارے احتجاجات کامیاب ہیں اور ہمیں کسی بھی قیمت پر انھیں جاری رکھنا ہے۔ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ بی جے پی حکومت والے صوبوں میں پولیس خود ہی عام لوگوں کی املاک کو نقصان پہنچا رہی ہے اور مظاہرین پر حملہ کر رہی ہے، جب کہ مظاہرین امن وشانتی کے ساتھ جلوس نکالتے ہیں، لہٰذا اب حکمت عملی بدلتے ہوئے غیر بی جے پی صوبوں میں سیکولر، امن پسند، حق گو غیر مسلموں کو لے کر برابر احتجاج جاری رہنا چاہیے، تاکہ ہمارا مقصد بھی حل ہو اور جانی، مالی نقصان سے بھی بچا جاسکے۔

حکومت کب تک انٹرنیٹ بند رکھے گی، کیوں کہ انٹرنیٹ بند ہونے سے آج سارے آفسوں میں کام نہیں ہو پاتا۔ بینکنگ سسٹم معطل ہوجاتا ہے۔ بڑے بڑے تجارتی نقصانات ہوتے ہیں جسے بہت دنوں تک حکومت نہیں برداشت کرسکتی، کیوں کہ GDP کی حالت چار فیصد تک گرگئی ہے۔

اگر دس صوبوں میں بھی یہ احتجاجات برابر ہوتے رہیں تو بھی حکومت کو سننا پڑے گا۔ انٹرنیشنل میڈیا آپ کو دکھا ہی رہا ہے۔ اسے برابر ٹیگ کرتے رہیں۔ آج جو پسماندہ قومیں حالات کو سمجھ نہیں پارہی ہیں، کل وہ لوگ سمجھنے لگیں گے، کیوں کہ جس قدر وقت

گزرے گا، اسی قدر غفلت میں مبتلا لوگوں اور آرام پسندوں پر یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ یہ قانون واقعی میں خطرناک ہے اور پھر چھوٹے احتجاجات بھی بڑے مظاہروں میں بدل سکتے ہیں۔

دہلی میں جلد ہی الیکشن ہونا ہے، اور اگلے سال بہار میں ہوگا ۔ ہمارے احتجاجات ان انتخابات پر سیدھے اثر انداز ہوں گے۔ ہمت ہارنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ اگر اب ہم اقتدار سے گئے تو اگلے سو سال تک اقتدار کی بھنک تک نہ پائیں گے، اس لیے وہ ہر ممکن کوشش کریں گے کہ ان کے خواب ابھی پورے ہوجائیں، ورنہ کل کس نے دیکھا ہے؟

آؤ! ایک ترکیب بتائیں

آج کل سارا سسٹم جام ہے۔ کالے قانون کی مخالفت بڑھتی جارہی ہے، ایسے میں مسلمان، دلت، آدی واسی، امن پسند اور سیکولر غیر مسلم اگر اپنے بینک اکاؤنٹ سے پیسہ نکالنا شروع کردیں تو بہت جلد کافی اثر دیکھا جاسکتا ہے، اس لیے ہماری کوشش اس طرف بھی ہونی چاہیے، تاکہ حکومت کو جلد ہی سمجھ آجائے۔ مجھے لگتا ہے یہ طریق عمل مظاہروں سے زیادہ اثر دار ہوگا۔ ساتھ ہی یہ بھی عہد کریں کہ جب تک حکومت این پی آر، این آرسی اور سی اے اے کو واپس نہیں لیتی ہے، تب تک پیسہ جمع نہیں کریں گے، صرف نکالا جائے گا عمل چھوٹا ہے، لیکن اثر بڑا ہے۔

ہم نے امریکا کو ترکی کے سامنے اسی احتجاج کے آگے بے بس دیکھا ہے اور ترکی پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ امریکا کی دھمکیوں سے ڈرا نہیں اور تیس کلومیٹر لمبی، چار سو کلومیٹر چوڑی سیریا کی پٹی پر قبضہ جما چکا ہے۔ دوسرا طریقہ "بند" کا ہے۔ اس پر بھی مختلف پارٹیوں کے ساتھ بند کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر مختلف صوبوں میں کئی بار بند ہوتا ہے تو یہ بھی نہایت مؤثر ہوگا۔ ہمیں ان طریقوں پر کام کرنا چاہیے۔

این آرسی کا کھیل

آسام کا وہ صحافی جس نے این آرسی لانے کے لیے سب سے زیادہ محنت اور پیسہ خرچ کیا، مگر جب آسام میں این آرسی آیا تو کیا ہوا؟ جس شخص نے اپنی پوری جوانی آسام میں دراندازوں کو نکالنے کی مہم میں صرف کردی اور آخر میں وہی شخص ناامید ہوکر کہے کہ ہم نے ایک پاگل پن میں زندگی تباہ کردی تو اسے آپ کیا کہیں گے؟ جی! ایسا ہی ہوا ہے اور یہ شخص ہے میرنال تعلقدار۔ جو آسام کا مشہور و معروف صحافی اور جرنلسٹ ہے۔ این آرسی پر اس کی تحریر کردہ کتاب ''پوسٹ کالونیل آسام'' کا اجرا چیف جسٹس رنجن گگوئی نے نومبر 2019 میں ہی کیا ہے۔ اس کی دوسری کتاب ''این آرسی کا کھیل'' چند دنوں بعد منظر عام پر آنے والی ہے۔ وہ این آرسی معاملات میں مرکزی حکومت کو صلاح دینے والی کمیٹی کے رکن بھی ہیں۔ آل آسام اسٹوڈنٹ یونین سے جڑے رہے ہیں۔

میرنال تعلقدار نے بتایا کہ میری اور مجھ جیسے ہزاروں لوگوں کی جوانی آسام میں دراندازوں کو نکالنے کی تحریک کے دوران قربان ہوگئی۔ ہم میں جوش تھا، لیکن ہوش نہیں تھا۔ ہمیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ہم جن کو آسام سے باہر نکالنے کے لیے تحریک چلا رہے ہیں، ان کی شناخت کس طرح کی جائے گی اور انہیں باہر نکالنے کا عمل کیا ہوگا۔ 1979 میں ہماری تحریک شروع ہوئی اور 1985 میں ہم برسر اقتدار آگئے۔ پرفل مہنت اس وقت ہاسٹل میں رہتے تھے۔ ہاسٹل سے سیدھے وزیر اعلیٰ رہائش گاہ پہنچے تھے۔

پانچ سال کیسے گزر گیا، ہمیں پتہ ہی نہیں چلا۔ راجیو گاندھی نے صحیح کیا کہ ہمیں الیکشن لڑا کر اقتدار میں بٹھایا۔ آئندہ انتخاب ہم ہار گئے، لیکن اس کے بعد کے انتخاب میں پھر سے برسر اقتدار آئے۔ دوسرے پانچ برسوں میں بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ بنگلہ دیشیوں کی شناخت کیسے کی جائے۔ لوگ ہم سے اور ہم اپنے آپ سے ناامید تھے، لیکن دراندازوں کے خلاف مہم جاری تھی۔

مرکزی حکومت میں ہوم سکریٹری رہ چکے گوپال کرشن پلئی کے ذریعے ہمیں کافی عرصہ بعد بتایا گیا کہ سبھی آسامیوں کی شہریت کی جانچ کرائی جائے اور اپنی شہریت بھی جانچ کرائیں۔ اب جو باہر رہ جائیں، وہ باہری ہیں۔ چور کو پکڑنے کے لیے کلاس روم میں

تمام بچوں کی تلاشی والا آئیڈیا ہمیں بہت پسند آیا لیکن اس وقت نہیں معلوم تھا کہ سوا تین کروڑ لوگ کاغذات کے لیے پریشان ہوکر ادھر ادھر بھاگیں گے تو کیا ہوگا۔ بعد میں چیف جسٹس رنجن گگوئی نے قانونی مدد کی اور خود اس میں دلچسپی لی۔ اس میں آسام کے ایک شخص پردیپ بھوئیاں جو ایک اسکول کے پرنسپل ہیں، ان کا اہم رول رہا۔ انہوں نے ہی سپریم کورٹ میں عرضی داخل کی اور 60:لاکھ روپیہ صرف کیا۔ بعد میں انہی کی عرض پر سپریم کورٹ نے حکم نامہ جاری کیا اور این آرسی وجود میں آیا۔

این آرسی کے وجود میں آتے ہی ہم یہ سوچنے لگے کہ یہ ہم نے کیا کر ڈالا۔ خود ہمارے گھر کے لوگوں کے نام غلط ہو گئے۔ سوچئے یہ کیسی صورتحال تھی کہ جو لوگ دراندازوں کو باہر نکالنے کے لیے تحریک چلا رہے تھے، خود ان کے اہل خانہ کے نام این آرسی کی فہرست میں شامل نہیں تھے۔ بہر حال یہ غلطیاں بعد میں دور ہوئیں۔ 42 ہزار ملازمین (پچاس ہزار سے زائد ایک سروے کے مطابق) چار برسوں تک کروڑوں کاغذات کو جمع کرتے رہے اور اس کی تصدیق چلتی رہی۔ آسام جیسے پاگل ہو گیا تھا۔

ایک ایک کاغذ کی تصدیق کے لیے دوسری ریاستوں کا چکر لگانا پڑتا تھا، جیسے کسی کے دادا 1971 کے قبل بہار یا راجستھان کے کسی اسکول میں پڑھتے تھے تو اسے دادا کا اسکول سرٹیفکیٹ لینے کے لیے کئی بار وہاں جانا پڑا۔ لاکھوں روپیہ خرچ کیا۔ سیکڑوں لوگوں نے تنگ آکر خودکشی کرلی۔ کئی لوگ دفتری چکر میں حرکت قلب بند ہونے سے موت کی آغوش میں چلے گئے۔

میں کہہ نہیں سکتا کہ ہم نے اپنے لوگوں کو کتنی تکلیف دی اور آخر میں کیا ہوا۔ پہلے 40:لاکھ لوگ این آرسی سے باہر ہو گئے۔ اب 19:لاکھ سے زائد لوگ این آرسی سے باہر ہیں۔

میرا اندازہ ہے کہ آخر میں پانچ یا تین لاکھ لوگ رہ جائیں گے تو ہم ان کا کیا کریں گے؟ ہم لوگوں نے یہ سب پہلے نہیں سوچا تھا۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ مسئلہ اس قدر انسانی پہلوؤں سے جڑا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم اتنے لوگوں کو نہ تو واپس بنگلہ دیش بھیج سکیں گے اور نہ ہی انہیں "برہم پتر" ندی میں غرق کرسکیں گے اور نہ ہی جیل میں رکھ سکیں گے تو آخر میں یہ نتیجہ نکلے گا کہ ورک پرمٹ دیا جائے اور این آرسی سے پیچھا چھڑا لیا جائے گا۔ مرکزی حکومت دوسری ریاستوں میں بھی این آرسی نافذ کرنے کی بات کررہی ہے، لیکن اسے آسام کا تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ (نیا سویرا آن لائن)

قارئین کرام! یہ پڑھنے کے بعد آپ تصور کرسکتے ہیں کہ کیا ہونے والا ہے اور کتنا خطرناک ہے؟ جوش میں این آرسی لانے والے لوگ ہی بی جے پی سے ہاتھ کھینچ رہے ہیں۔ مرکزی حکومت سی اے اے کے ذریعے شہریت تو دے گی، پر کیا یہ اتنا آسان ہوگا؟ پہلے خود کو " گھس پیٹھیا" ثابت کیجیے، جائداد سے مالکانہ حق چھوڑیے، در در کی ٹھوکریں کھائیے، جب تک شہریت مل نہ جائے، تب تک الیکشن سے دور رہیے، یا ڈاؤٹ فل ووٹر بن کر دوسرے درجے کے شہری کہلائیے، لوگوں کے طعنے سنیے، پولیس، غنڈوں کو ہفتہ دیجیے، حکومتی اداروں سے ملنے والی ساری مراعات سے ہاتھ دھوئیے، خلاصہ یہ کہ "مردہ بدست زندہ" کی صورت ہو جائیے۔

سوچیے! پھر سوچیے! کہ جب آپ کی ماں، بہن، بیٹی، گھر کا سب سے چھوٹا، چہیتا، لاڈلا، لاڈلی، اکلوتی، اکلوتا اگر آپ کی آنکھوں کے سامنے ڈیٹینشن سنٹر چلا جائے تو گھر کا کون سا فرد ہے جو سکون سے سو سکے گا؟ کون پیٹ بھر کھانا کھا سکے گا؟

خواہ ساری زمین، جائداد بک جائے، عزت ہی کیوں نہ داؤں پر لگانی پڑے، ایمان کا سودا ہی کیوں نہ کرنا پڑے، نوے فیصد لوگ اپنوں کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں گے، لیکن کیا اس کے بعد بھی وہ سکون سے رہ سکیں گے؟ اس کی کوئی گارنٹی نہیں، کیوں کہ ایک بار ودیشی کا لیبل لگا کہ ساری زندگی اسی داغ کو دھوتے ہوئے گزر جائے گی: اللھم انصر الاسلام والمسلمین والمسلمات انک مجیب الدعوات برحمتک یا ارحم الراحمین:

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندو مسلمانو!
تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

جمہوریت: آغاز وارتقا اور طرز حکومت

افسانہ بیگم (موتی جھیل: کلکتہ)

عہد ماضی میں شاہی حکومتیں ہوا کرتی تھیں۔ بعد میں جمہوریت کا آغاز ہوا۔ ابھی دنیا کے 123: ممالک جمہوری ہیں۔

مذہب اسلام میں خلفائے راشدین کا انتخاب جس طوز پر ہوا، اس کو نظام شوریٰ کہا جاتا ہے۔ موجودہ جمہوریت اور اسلام کے نظام شوریٰ میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے، گرچہ دونوں کے اصول وضوابط میں بہت فرق بھی ہے۔

جمہوریت کا لفظ انگریزی لفظ "democracy" کا ترجمہ ہے اور انگریزی میں یہ لفظ یونانی زبان سے منتقل ہو کر آیا ہے۔ یونانی زبان میں ''demo ''عوام کو اور ''cracy'' حاکمیت کو کہتے ہیں۔ عربی میں اس کا ترجمہ دیمقراطیہ ہے۔ اس کے معنی عوام اور طاقت کے ہیں۔ اس لحاظ سے جمہوریت ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں اقتدار عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور ان کے منشا کے مطابق حکومت اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔

جمہوریت کی تاریخ

جمہوریت کا سراغ سب سے پہلے ہندوستان میں ملتا ہے۔ سو برس قبل مسیح ہندوستان میں جمہوری ریاستیں موجود تھیں جن کو "جن پد" کہا جاتا تھا۔ عہد ماضی میں یونان میں بھی جمہوریت تھی، لیکن موجودہ عہد سے کچھ مختلف تھی۔ یونان کی ریاستیں شہری ریاست کہلاتی تھیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے شہروں پر مشتمل چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہوتی تھیں۔ ایک شہر میں ایک مستقل حکومت ہوتی تھی، دوسرا شہر دوسری حکومت اور تیسرا شہر تیسری حکومت۔ شہر بھی بڑے نہیں ہوتے تھے۔ یونان کا سب سے بڑا شہر ایتھنز تھا جس کی آبادی زیادہ سے زیادہ دس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ وہاں جمہوریت کا تصور یہ تھا کہ بادشاہ خاص خاص اور بڑے فیصلوں میں عوام کی رائے معلوم کرنے کے لیے ساری آبادی کو اکٹھا کر لیتا اور یہ اسی جگہ ممکن ہے جہاں چھوٹا سا ملک اور مختصر سی آبادی ہو۔ جب بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں مثلاً روم کی سلطنت تو وہاں یہ صورت ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ وہاں جمہوریت کا تصور اس حد تک محدود ہو گیا کہ بادشاہ اپنے مشورے کے لیے کوئی کونسل یا مجلس شوریٰ بنالیتا تھا۔

اس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ نکلا کہ جمہوریت کا حقیقی تصور (یعنی عوام کو پالیسی سازی میں حصہ دار بنایا جائے) عملاً مفقود ہوتا گیا اور اس کی جگہ مطلق العنان بادشاہت نے لے لی۔ یوں چھوٹی چھوٹی بادشاہت کے قیام کے بعد جمہوریت کا تصور ناپید ہو گیا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس تصور کو دوبارہ زندگی نصیب ہوئی۔ اس وقت جمہوریت نے ایک منظم شکل اختیار کر لی اور وہ جمہوریت وجود میں آئی جو آج موجود ہے۔ اسے لبرل ڈیموکریسی اور اردو میں " آزاد خیال جمہوریت " سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جن مفکرین نے جمہوریت کی صورت گری کی اور جن کو آزاد خیال جمہوریت کا بانی سمجھا جاتا ہے، وہ والٹیئر ، مونٹیسکو اور روسو ہیں۔ یہ تینوں فرانس کے فلسفی ہیں، انہیں کے افکار ونظریات کے ذریعہ جمہوریت وجود پزیر ہوئی۔ ان تینوں کے افکار ونظریات کے سبب فرانس میں انقلاب آیا۔

انقلاب فرانس کا پس منظر یہ ہے کہ فرانس کے امرا اور کلیسا نے آپس میں گٹھ جوڑ کر رکھا تھا اور تمام زمینوں پر قابض تھے۔ خود ٹیکس نہیں دیتے تھے لیکن عوام پر نیا ٹیکس لگا دیتے اور قانون کا یہ حال تھا کہ گرفتاری وارنٹ پر ملزم کا نام، مدت اور قید خانہ لکھ کر پولیس کے حوالے کر دیا جاتا۔ لوگوں کو بغیر وجہ بتائے گرفتار کر کے

قید خانہ میں ڈال دیا جاتا۔ امریکہ کی جنگ آزادی میں مدد کرنے کے سبب فرانس کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ مہنگائی آسمان کو چھو رہی تھی۔ غریب غریب تر اور امرا امیر ترین ہوتے جا رہے تھے، لہٰذا فیصلہ کیا گیا عوام پر مزید ٹیکس لگائے جائیں۔ 5: مئی 1789 کو ٹیکس کے نفاذ کے لیے پارلیمان کا اجلاس بلایا گیا۔

پارلیمان کے 3: حصے تھے۔ ایک حصہ امرا، دوسرا حصہ کلیسا اور تیسرا حصہ عوام کا تھا جو 97: فیصد تھا۔ عوام کے نمائندوں کے اختیارات محدود تھے، وہ اشرافیہ سے دبے دبے رہتے تھے، مگر آج ان کی آوازیں اونچی ہونے لگیں۔ انہوں نے ٹیکس کے نفاذ کے خلاف بھرپور احتجاج کیا، مگر بادشاہ نے ان کا اختلاف ماننے سے انکار کر دیا تو جون 1789 میں عوام کے نمائندوں نے اپنا نام قومی اسمبلی رکھ کر اپنا اجلاس پارلیمان کے باہر کیا۔

بادشاہ نے پولیس اور فوج کو انھیں وہاں سے ہٹانے کا حکم دیا، مگر انہوں نے حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر کار ڈیڑھ ماہ بعد غیر ملکی سپاہیوں کی مدد سے انھیں وہاں سے منتشر کر دیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کو باستیل قید خانے ڈال دیا گیا۔

بادشاہ مطمئن ہوگیا، مگر اس سے اگلے روز عوام کا ہجوم" باستیل" قید خانے پر حملہ آور ہو کر تمام لوگوں کو آزاد کروالیا اور جیل میں موجود تمام اسلحہ ساتھ لے گئے۔ اس حملے کے نتیجے میں بادشاہ کی حکومت پر گرفت کمزور ہوگئی۔ دیہاتی علاقوں میں بھی بغاوت ہوگئی۔ جون 1791 میں بادشاہ اور ملکہ بھیس بدل کر ملک سے فرار ہونے لگے تو عوام نے پکڑ کر قید کر لیا۔

عوام کی اسمبلی نے جمہوری دستور بنایا، عوامی عدالتیں لگیں ، جنھوں نے ہر اس شخص کا سر قلم کر دیا جس کے ہاتھ نرم یا کالر صاف تھے، کیوں کے یہ اشرافیہ کی نشانی سمجھی جاتی۔ بادشاہ اور ملکہ کے سر قلم کر دیے گئے۔ 1793 سے 1794 تک تقریباً 40 ہزار افراد کو قتل کیا گیا اور اس قتلِ عام کے نتیجے میں جدید فرانس کا آغاز ہوا۔

اٹھارھویں صدی میں فرانس دنیا کا سب سے مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ ملک تھا۔ تہذیب و اخلاقیات، تعلیم، حقوق انسانی، سیاسیات، غرض کہ ہر موضوع پر اس کے ممتاز مفکرین اور ادیبوں نے اپنی عمدہ رائے کا اظہار کیا۔ چوں کہ عام طور پر یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ سیاسی اصلاح سے سب کچھ صحیح ہو جائے گا، لہٰذا جب انقلاب عمل میں آیا تو اس کے سماجی، اخلاقی اور انسانی پہلو تو نظر سے اوجھل ہو گئے اور نگاہیں سیاسی کارفرماؤں پر مرکوز ہوگئیں اور بادشاہ، ملکہ، شاہی خاندان، امرا و حکام اور تمام سیاسی اشخاص وسیاسی ادارے کچل دیے گئے۔

یوم باستیل کے بعد 8: جون 1795 کو ولی عہد فرانس کو بھی قتل کر دیا گیا اور 9: برس تک فرانس کے معاملات میں درستگی پیدا نہ ہوسکی۔ ابھی تک فرانس اپنی اس ڈگر پہ نہیں آیا تھا جس کے لیے اتنی قتل و غارتگری کی گئی تھی۔ عوام نے اپنی طاقت کے ذریعہ بادشاہت اور اشرافیہ کا اثر ختم کر دیا تھا، جو ان کی بڑی کامیابی تھی، لیکن اب بھی انھیں اپنے معاملات خوش اسلوبی سے چلانے کے واسطے ایک رہنما ایک لیڈر کی ضرورت تھی۔ حکم رانی اور عدل و انصاف کے نظام کی ضرورت تھی، تا کہ ایک صحت مند معاشرہ تشکیل پا سکے۔ اور آخر کار 9: برس بعد مئی 1804 میں نپولین بوناپارٹ بر سر اقتدار آیا جس سے فرانس کی تاریخ کا نیا باب شروع ہوا، اور وہاں جمہوری نظام قائم ہوا۔

جمہوریت اور آمریت کا فرق

آمریت یعنی شاہی حکومت میں تمام اختیارات ایک ہی شخص کے پاس ہوتے ہیں، اس لیے موٹیسکو نے اس کو لوگوں کے نقصان اور ظلم کا باعث قرار دیا اور یہ کہا کہ ریاست کے اختیارات تین قسم کے ہوتے ہیں، لہٰذا تینوں اختیارات کسی ایک شخص یا ادارے میں مرتکز نہیں ہونے چاہئے، بلکہ تینوں ادارے ایک دوسرے سے آزاد اور خود مختار ہونے چاہئے۔ چنانچہ قانون سازی کا اختیار رکھنے والے ادارے کو مقننہ کہا جاتا ہے اور جمہوریت میں یہ اختیار پارلیمنٹ یا اسمبلی کو حاصل ہوتا ہے۔ قانون کے مطابق ملک کے نظم ونسق کا اختیار جس ادارہ کو حاصل ہوتا ہے، اسے

انتظامیہ یا عاملہ کہا جاتا ہے ،جس کا سربراہ صدارتی نظام میں صدر مملکت اور پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم ہوتا ہے۔ قانون کی تشریح اور تنازعات کا فیصلہ کرنے والے ادارہ کا نام "عدلیہ" ہے۔ اسی وقت سے جمہوریت کا یہ نظام جاری ہے۔

ماضی میں مذکورہ تینوں قسم کے اختیارات ایک شخص یا ایک جہت میں مرکوز رہتے تھے۔ وہی قانون بناتے، وہی نافذ کرتے اور وہی تنازعات کا تصفیہ کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر انتظامیہ کوئی گڑبڑ کرے تو اس کے خلاف فریاد بھی اسی کے پاس لے جانی پڑتی تھی۔

مونٹیسکو نے یہ تجویز دی کہ حکومت کے تینوں کام الگ الگ اداروں کے پاس ہونے چاہیے اور ان میں سے ہر ایک کو خود مختار ہونا چاہیے، یعنی کوئی ادارہ دوسرے کے دباؤ میں نہ ہو۔ مقننہ قانون بنائے، اس کو نافذ انتظامیہ کرے اور عدلیہ خود مختار ہونا چاہیے، تا کہ اگر کسی کو مقننہ یا انتظامیہ سے کوئی شکایت ہے تو وہ عدلیہ کے پاس جائے اور عدلیہ اس مشکل کو بلا خوف دور کر سکے۔ انصاف کی بالا دستی قائم ہو، اور ہر شخص کو اس کا حق ملے۔

جمہوریت کا اصطلاحی مفہوم

"ایسی حکومت جس میں عوام کا منتخب شدہ نمائندہ حکومت چلانے کا اہل ہوتا ہے"۔

جمہوریت کی اصطلاحی تعریف مختلف دانشوروں نے اپنے اپنے انداز سے کی ہے۔ جمہوریت کی جامع تعریف میں خود علمائے سیاست کا بڑا اختلاف ہے، لیکن مجموعی طور پر اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لیے بنیاد بنایا گیا ہو۔

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے جسے آسان الفاظ میں عوام کی حکومت کہا جا سکتا ہے۔ آمریت کے برخلاف اس طرز حکمرانی میں تمام فیصلے عوامی نمائندے کرتے ہیں۔

یونانی مفکر ہیروڈوٹس نے کہا: ''جمہوریت ایک ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر پورے معاشرے کو حاصل ہوتے ہیں"۔

سابق امریکی صدر ابراہم لنکن نے کہا:

"goverment of the people,by the people,for the people"

جمہوریت عوام کی حکومت عوام کے زریعے اور عوام کی خاطر

سیلے seeley نے کہا: ''جمہوریت ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں ہر ایک شریک ہوتا ہے"

لارڈ برائسس نے کہا:

"جمہوریت وہ طرز حکومت ہے جس میں اختیارات ایک فرد واحد یا افراد کے ایک مخصوص طبقہ یا طبقات کی بجائے معاشرے کے تمام افراد کو بحیثیت مجموعی حاصل ہوتا ہے"

جمہوریت کے اقسام

جمہوریت کی دو اقسام ہوتی ہیں: 1-بلاواسطہ یا براہ راست جمہوریت 2-بالواسطہ یا نمائندہ جمہوریت

بلاواسطہ جمہوریت (Direct Democracy)

بلاواسطہ جمہوریت سے مراد وہ طریق کار ہے جس میں عوام الناس براہ راست حکومتی امور میں حصہ لیتے ہیں۔ عوام خود ہی قانون وضع کرتے ہیں اور انتظامی امور انجام دیتے ہیں۔ براہ راست جمہوریت کا یہ طریقہ قدیم یونان میں رائج تھا۔

یونان کے شہر بلند و بالا پہاڑوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ تھلک تھے جن کو شہری ریاست بھی کہا جاتا تھا۔ شہری ریاست رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے بہت مختصر ہوتی تھی۔ تمام افراد ایک جگہ جمع ہو کر اپنی ضروریات کے مطابق قانون وضع کرتے اور انتظامی امور انجام دیتے تھے۔

اس طرح وہ قدیم یونان کی شہری حکومت کے امور میں براہ راست حصہ لیتے تھے۔ اس طریقہ کار کو براہ راست جمہوریت کہا جاتا ہے۔ اب قومی ریاستوں پر براہ راست جمہوریت پر عمل

کرنا کافی مشکل ہے۔

بلاواسطہ جمہوریت میں قوم کی مرضی کا اظہار براہ راست افراد کی رائے سے ہوتا ہے۔ اس قسم کی جمہوریت صرف ایسی جگہ قائم ہوسکتی ہے جہاں ریاست کا رقبہ بہت محدود ہو اور ریاست کے عوام کا یکجا جمع ہوکر غور وفکر کرنا ممکن ہو۔ اس طرز کی جمہوریت قدیم یونان کی شہری مملکتوں میں موجود تھی اور موجودہ دور میں یہ طرز جمہوریت سوئٹیزلینڈ کے چند شہروں اور امریکا میں نیوانگلینڈ کی چند بلدیات تک محدود ہے۔

جدید وسیع مملکتوں میں تمام شہریوں کا ایک جگہ جمع ہونا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا بہت مشکل ہے، پھر قانون کا کام اتنا طویل اور پیچیدہ ہوتا ہے کہ معمول کے مطابق تجارتی اور صنعتی زندگی قانون سازی میں پڑ کر جاری نہیں رہ سکتی، اس لیے جدید جمہوریت کی بنیاد نمائندگی پر رکھی گئی۔ چناں چہ ہر شخص کے مجلس قانون ساز میں حاضر ہونے کی بجائے رائے دہندگی کے ذریعے چند نمائندے منتخب کر لیے جاتے ہیں جو ووٹروں کی طرف سے ریاست کا کام کرتے ہیں۔

جمہوری نظام حکومت میں عوام کے دلوں میں نظام ریاست کا احترام پیدا ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں نظام حکومت خود عوام یا عوام کے نمائندوں کے ذریعے حکومتی امور سرانجام پاتے ہیں، مگر یہ جذبہ صرف اس وقت کارفرما ہوتا ہے جب عوام کی صحیح نمائندگی ہو، اور اراکین مملکت کا انتخاب درست اور شفاف ہو۔

بالواسطہ جمہوریت

(Indirect Democracy)

بالواسطہ جمہوریت سے مراد وہ طریقہ ہے جس میں تمام شہری براہ راست حکومت کے امور انجام نہیں دیتے، بلکہ وہ اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں جو عوام کی جانب سے ان کے منشا کے مطابق نظامِ حکومت چلاتے ہیں۔ موجودہ دور میں قومی ریاستوں کا رقبہ بہت وسیع اور آبادی بہت زیادہ ہے۔ ریاست کے تمام شہری ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، اور اپنی ضرورتوں میں مشغول ہونے کے سبب وہ نہ قانون وضع کر سکتے ہیں اور نہ کاروبارِ حکومت میں حصہ لے سکتے ہیں، اس لیے عوام انتخابات کے ذریعے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں جو اپنے رائے دہندگان کی جانب سے کاروبارِ حکومت چلاتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں نمائندہ جمہوریت بھی کہتے ہیں۔ دراصل دورِ جدید میں فلاحی ریاست کے فرائض میں بے پناہ اضافہ ہوچکا ہے اور انسانی زندگی بے حد مصروف ہوگئی ہے۔ معاشی جدوجہد کی وجہ سے عام شہریوں کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ حکومتی فرائض بھی انجام دے سکیں، اس لیے وہ اپنے نمائندوں کو منتخب کر کے نظامِ حکومت چلانے کا اختیار دے دیتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے قوانین اور فیصلوں کا احترام اور پابندی کرتے ہیں۔

ریاست کے وہ افراد جو سیاسی سوج بوجھ رکھتے ہیں، وہ انتخابات میں امیدوار ہوتے ہیں۔ عوام کی اکثریت کی تائید سے منتخب ہوکر پارلیامنٹ واسمبلی کے رکن بن جاتے ہیں۔ اگر ریاست میں پارلیمانی نظام ہو تو پارلیامنٹ میں اکثریتی جماعت کا قائد کابینہ بناتا ہے۔ کابینہ اپنی کارگزاریوں کے سلسلے میں پارلیامنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔ پارلیامنٹ کے اراکین عوام کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ صدارتی نظام میں عوام صدر اور پارلیمینٹ کے اراکین کو منتخب کرتے ہیں جو عوام کے روبرو جوابدہ ہوتے ہیں۔ اس طرح دورِ جدید میں عوام اپنے نمائندوں کے ذریعے کاروبارِ حکومت میں شریک ہوتے ہیں۔

جمہوریت کے فوائد وخصائص

حکومت میں شرکت کا احساس

جمہوریت کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ عوام کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کے ذریعے حکومت کے کاروبار میں شریک ہیں، اس لیے وہ مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین اور حکومت کے فیصلوں کی پابندی کرتے ہیں اور ملک کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

عوامی حقوق کا تحفظ

جمہوریت میں عوام کے حقوق مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں۔ عوام کے منتخب نمائندے پارلیامنٹ میں ہوتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا قانون نہیں بناتے جو عوام کے حقوق کے منافی ہو، اور نہ ہی حکومت کو ایسے اقدامات اٹھانے دیتے ہیں جن سے عوام کے حقوق غصب ہونے کا خطرہ ہو۔

عوامی اختیارات کی پاسداری

عوام اپنے نمائندے منتخب کر کے ان کو نظامِ حکومت چلانے اور عوامی فلاح و بہبود کے فروغ کا اختیار دیتے ہیں۔ اربابِ حکومت کو بھی اس بات کا خیال ہوتا ہے کہ عوام نے ان کو ایک مخصوص مدت کے لیے حکومت کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اگر انھوں نے اس اختیارات کا ناجائز استعمال کیا تو آئندہ وہ عوام کے اعتماد سے محروم ہو جائیں گے، اس لیے حکومت ایسا اقدام نہیں کرتی جو عوام کی ناراضگی کا باعث ہو۔

باشندگان ملک کی سیاسی تربیت

جمہوریت عوام کی سیاسی تربیت کا بہترین زریعہ ہے۔ عوام کو مقامی سطح سے لے کر قومی سطح تک متعدد بار انتخاب کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر سیاسی جماعت اپنے امیدوار کے حق میں حمایت حاصل کرنے کے لیے عوام سے رجوع کرتی ہے، اور قومی مسائل پر اپنا نقطہ نظر پیش کرتی ہے۔ اس سے عوام کو سیاسی جماعتوں کے پروگراموں اور ان کے امیدواروں کے حالات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ وہ بہتر امیدوار کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کو اپنے حقوق اور فرائض سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ ان کو اپنے ووٹ کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بار بار انتخابات ہونے سے عوام میں یہ احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان پر کتنی ذمہ داری عائد ہے، اور اگر انہوں نے اپنا ووٹ لالچ میں آ کر دیا تو اس سے ناقابلِ تلافی قومی نقصان ہوگا۔ اس طرح جمہوریت سے نہ صرف عوام کی سیاسی، بلکہ اخلاقی تربیت بھی ہوتی ہے۔

اہل حکومت کی جوابدہی کا تصور

جمہوریت میں ہر سطح پر جوابدہی کا تصور پایا جاتا ہے، جس کے باعث حکمرانوں کے اختیارات کے ناجائز استعمال کے مواقع کم ہو جاتے ہیں۔ پارلیامنٹ کے نمائندے عوام کے رو برو اور پارلیمانی حکومت پارلیامنٹ کے روبرو جوابدہ ہوتی ہے۔

اگر منتخب نمائندے عوام کے مفاد اور اپنے وعدوں کے مطابق قانون سازی نہیں کرتے تو اگلے انتخابات میں عوام ان کو مسترد کر دیں گے۔

اسی طرح پارلیامنٹ میں حزب اختلاف برسر اقتدار جماعت کا احتساب کرتی ہے، اس سے کابینہ کے ارکان مستعد رہتے ہیں اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو عوام کے مفادات کے خلاف ہو۔ جوابدہی کا یہ تصور جمہوریت میں اپنی مثال آپ ہے۔

جذبہ حب الوطنی کا فروغ

جمہوریت سے عوام میں حب الوطنی کے جذبہ کو فروغ ملتا ہے، کیوں کہ اس نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عوام کی حکومت عوام کے لیے ہے۔

اس سے عوام میں یہ اطمینان پیدا ہوتا ہے کہ وہ حکومت کے کاروبار میں شریک ہیں۔ اس سے عوام قومی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ان میں اپنے وطن سے محبت کا جذبہ فروغ پاتا ہے۔

انقلابات سے تحفظ

جمہوریت کا نظام لچکدار ہوتا ہے۔ ناپسندیدہ عناصر کو انتخابات کے زریعے مسترد کیا جا سکتا ہے۔ افکار و خیالات کی مکمل آزادی کے باعث عوام اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور حکومت پر کھل کر تنقید کر سکتے ہیں۔

حکومت رائے عامہ کو نظر انداز نہیں کرتی۔ اگر حکومت عوام کے مشوروں اور ان کے منشا کو نظر انداز کر دے تو آئندہ انتخاب میں عوام ایسی حکومت کو پر امن طور پر تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس طرح عوام کو حکومت تبدیل کرنے کے لیے تشدد کا راستہ اختیار نہیں کرنا

پڑتا اور ملک انقلابات سے محفوظ رہتا ہے۔

امن وامان کا قیام

جمہوری نظام دوسرے نظام کے مقابلے میں زیادہ امن پسند ہے۔اس میں اقتدار عوام کے نمائندوں کے پاس ہوتا ہے اور جوابدہی کے تصور کی وجہ سے وہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے جو عوام کو ناپسند ہو۔انسانوں کی اکثریت امن پسند ہوتی ہے،اس کے برعکس ایک بادشاہ یا آمر اپنے اقتدار کو وسعت دینے کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے،جس کا نتیجہ دوسروں سے لازمی تصادم ہوتا ہے۔

جمہوری حکومت میں میڈیا کا کردار

جمہوری نظام کے دراصل تین اہم شعبے ہیں:

(۱) مقننہ (۲) انتظامیہ (۳) عدلیہ۔

چوں کہ میڈیا قوم کو حکومتی کاموں کی اطلاع دیتی ہے اور اس کی کارگزاریوں کے فوائد ونقصانات بیان کرتی ہے،اس لیے جمہوریت کے تحفظ کے واسطے اسے سنگ میل سمجھا جاتا ہے اور اسے جمہوریت کا چوتھا شعبہ اور چوتھا ستون سمجھا جاتا ہے۔کبھی میڈیا اپنے ذاتی فوائد کے پیش نظر حکمراں پارٹی کی حمایت وطرفداری میں مبتلا ہو جاتی ہے اور ملکی مفادات کو نظر انداز کر دیتی ہے،ایسی صورت میں میڈیا سب سے زیادہ جمہوریت کو نقصان پہنچاتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جمہوریت اسی وقت تک صحت مند اور تندرست رہتی ہے، جب اس کے چاروں ستون مستحکم ہو۔

جب کسی ستون میں دیمک لگ جائے تو جمہوریت موت وحیات کے کشمکش میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ابھی بھارتی جمہوریت کا ہر ستون دیمک زدہ نظر آتا ہے۔

جمہوری نظام حکومت پر تنقید

دورِ جدید میں جمہوریت ایک مقبول ترین طرزِ حکومت ہے، لیکن خوبیوں کے باوجود ناقدین نے اس پر کافی تنقید کی ہے، وراس کی خامیوں کی نشاندہی کی ہے۔ یقیناً جمہوری نظام میں بعض خامیاں بھی ہیں ،اوران خامیوں کا مرکز ومحور منتخب کردہ نمائندگان ہیں ۔اگر وہ اچھے ہیں تو حکومت اچھی ہوگی ۔اگر یہ نمائندے فریبی اور دغاباز ہیں تو مختلف طریقوں سے قوم اور ملک کو تباہ کر سکتے ہیں۔دوسری بڑی خامی یہ ہے کہ جمہوری نظام میں سیاسی پارٹیاں قوم کو مختلف جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم کر دیتی ہیں۔دوسری سیاسی پارٹیوں کو عوام کی نظروں سے گرانے کے لیے ہر قسم کے حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔

برسرِ اقتدار پارٹی قومی مفاد کی بجائے اپنی سیاسی پارٹی کے مفاد میں فیصلے کرتی ہے۔اس طرح قوم مختلف گروہوں میں تبدیل ہو جاتی ہے، بلکہ ملک کی بقا اور سلامتی کو خطرے لاحق ہو جاتے ہیں۔

حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز

26 و 27 جنوری 2020 کو استاذ العلما حافظ ملت حضرت علامہ حافظ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کا عرس سراپا قدس ہے ۔ادارہ پیغام شریعت (دہلی) اس پر بہار موقع پر حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ عالی میں خراج عقیدت وسوغات محبت پیش کرتا ہے اور ان کی حسین یادگار مرکز علم وفن الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور) کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتا ہے ۔اللہ تعالیٰ ''باغ فردوس'' کو روز افزوں ترقی اور قابل رشک عروج عطا فرمائے:(آمین)

جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) کے جملہ اساتذۂ کرام اور تمام ارکان ومعاونین کی خدمت بابرکت میں سوغات وتہنیت ومبارک بادی اور تمام طلبائے کرام کے واسطے نیک دعائیں۔

بھارت میں قوم مسلم کے حالات تشویش ناک ہوتے جا رہے ہیں ،اس لیے تعلیم یافتگان ودانشوران بام سیف اور بھیم آرمی سے ربط وتعلق پیدا کر کے تمام مظلوم طبقات کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش کریں۔قوم مسلم کی انفرادی کوشش کو نظر انداز اور تحریک پر الزام تراشی کی جائے گی ۔بام سیف کے پاس تمام ضروری وسائل مہیا ہیں اور مسلمانوں کے واسطے دروازہ کھلا ہے۔

منجانب :ادارہ پیغام شریعت (دہلی)

قومی مسائل

قسط چہاردہم

بھارت کا مظلومانہ سفر

طارق انور مصباحی

{tariqueanwer313@gmail.com}

حالیہ دنوں میں شہریت ترمیمی ایکٹ کے خلاف آسام، تری پورہ و دیگر شمال مشرقی ریاستوں سے احتجاج شروع ہوا۔اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی)، مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) اور جواہر لعل یونیورسٹی (دہلی) کے اسٹوڈنٹس نے مظاہروں کی کمان سنبھالی اور پھر ملک بھر میں ایسا جوش وخروش بھر گیا کہ پورے ملک کے میں سلسلہ وار مظاہرے شروع ہو گئے ،اور اب یہ احتجاج ایک تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے۔علی گڑھ یونیورسٹی، ملیہ یونیورسٹی اور جے این یو کے طلبہ پر پولیس اور بھگوا غنڈوں نے ظلم وستم ڈھائے۔

کسی جمہوری ملک میں منتخبہ حکومت سے اپنی بات منوانے کے لیے باشندگان ملک اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔حالیہ دنوں حکومت کے اشارے پر پولیس والوں نے ایسا ماحول بنا دیا ہے کہ لوگوں سے اظہار خیال کی آزادی ختم ہوتی جا رہی ہے۔یہ جمہوریت کے لیے مضر ہے۔ جن ریاستوں میں بی جے پی حکومت ہے، وہیں پولیس کے ذریعہ ظلم وستم اور قتل وغارت گری کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔دہلی میں عام آدمی پارٹی کی حکومت ہے،لیکن وہ مرکز کے زیر انتظام ریاست ہے،اس لیے وہاں کا پولیس محکمہ مرکز کے کنٹرول میں ہوتا ہے۔اسی وجہ سے دہلی پولیس کے مظالم کی خبریں گشت کر رہی ہیں۔جموں وکشمیر سے دفعہ 370 ہٹا کر اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور اس کو مرکز کے زیر انتظام رکھا گیا،تا کہ وہاں کا پولیس محکمہ مرکز کے کنٹرول میں رہے اور کشمیری مسلمانوں پر ظلم کیا جا سکے ،اور بھاجپائیوں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو۔ پہلے صرف فوج مرکزی حکومت کی نگرانی میں تھی۔اب پولیس والے بھی مرکز کی نگرانی میں ہوں گے۔خواہ ریاست میں کسی پارٹی کی حکومت ہو۔

متعدد ذرائع سے خبریں موصول ہوئیں کہ ملک بھر میں تقریباً دو درجن سے زائد مظاہرین کو گولیوں سے ہلاک کر دیا گیا۔یہ انتہائی تشویشناک اور دردناک صورت حال ہے۔ہم ان شہیدوں کے ساتھ ہیں۔یہ ہلاکتیں ان ریاستوں میں ہوئیں، جہاں بی جے پی کی حکومت ہے۔اسی طرح مظاہرین کو کثیر تعداد میں گرفتار کیا گیا اور ان پر مقدمات درج کیے گئے۔بہت سے مظاہرین کو جیل میں ڈال دیا گیا، تا کہ کوئی آواز بلند نہ کر سکے۔اس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ احتجاج و مظاہرے بھی اپنا قوی اور مضبوط اثر رکھتے ہیں۔

شہریت ترمیمی قانون (CAA) اور این آر سی (NRC) کے خلاف بھارت کی تمام اقوام نے احتجاج کا آغاز کر دیا ہے۔اب بی جے پی کی معاون سیاسی پارٹیوں نے بھی آواز بلند کرنا شروع کر دیا ہے۔سازش کے ذریعہ مظاہروں میں تشدد برپا کر دیا جاتا ہے اور گولیوں سے مظاہرین کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔مظاہرین پر گولی چلانے کی روایت دنیا بھر میں کہیں بھی نہیں۔جمہوری نظام میں ہر ایک شہری کو اظہار خیال کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔مظاہرین پر ظلم افسوسناک ہے۔یہ طویل مدتی مظاہرہ ہوگا ،کیوں کہ ملک کو ہندو راشٹر بنانے کے لیے یہی دو قانون کافی ہیں،اس لیے بی جے پی حکومت بہت آسانی کے ساتھ اس سے دستبردار نہیں ہو سکتی ،اور اہل ملک بھی پیچھے ہٹنے والے نہیں۔

حالیہ چند ماہ میں بھارت کی مرکزی حکومت نے چند ایسے فیصلے کیے کہ رفتہ رفتہ ملک کے حالات انتہائی تشویشناک ہو گئے۔جمہوری

ملک میں اصل حکمراں پبلک ہوتی ہے۔عوام کے ذریعہ منتخب کردہ حکومت متعینہ مدت تک نظم ونسق سنبھالتی ہے اوراس کو باشندگان ملک کی رائے عامہ کالحاظ کرنا لازم ہوتا ہے۔حکومت کے غیر مناسب فیصلوں پر مختلف ذرائع سے ملک کے باشندگان اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ آج کل سنگھیوں کے ذریعہ یہ نظریہ فروغ دیا جارہا ہے کہ بی جے پی کی مخالفت،ملک کی مخالفت ہے۔بی جے پی حکومت کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ جو کچھ اس کے ایجنڈا میں ہے،اس کو نافذ کرنا اس کا حق ہے۔فتح یابی کے سبب ملک کسی پارٹی کا نہیں ہوجاتا،بلکہ جیت حاصل کرلینے کے باوجود حکمراں پارٹی کوملک کے سامنے جوابدہ ہونا پڑتا ہے۔یہ سب منتخب کردہ نمائندے ہوتے ہیں،ملک کے بادشاہ یا مالک نہیں بن جاتے۔

امریکہ کے سابق صدر ابراہم لنکن (۱۸۰۹ء-۱۸۶۵ء) نے کہا کہ جمہوریت عوامی حکومت ہے جوعوام کے ذریعہ اورعوام کے لیے ہو۔

Government of the people,by the people,for the people.

میڈیا بھی کئی سالوں سے حکومت کی طرفداری میں مبتلا ہے۔سپریم کورٹ سے یہ امید وابستہ کرلینا کہ فیصلہ ہمارے حق میں آئے گا، خود فریبی ہے۔بابری مسجد کا فیصلہ ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ایسی صورت حال میں ہمیں احتجاج کے ساتھ اظہار رائے کی دیگر مؤثر صورتوں پر بھی غور کرنا ہوگا۔دعا کی مجلسوں کا بھی اہتمام ہونا چاہئے۔جج لویا کی پراسرار ہلاکت نے عدلیہ کے ذہن وفکر کو بہت متاثر کردیا ہے۔

مرکزی حکومت ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میر جعفرومیر صادق کی تلاش میں ہے،اس لیے کسی جعفروصادق کی آواز پر دھیان نہ دیں۔ بھاجپائی حکومت اپنے حامیوں کا ایک گروپ تیار کرتی ہے،جوغلط کاموں پر بھی بھاجپائیوں کی طرفداری کرتا ہے۔اس گروپ پر توجہ نہ دی جائے۔موجودہ تحریک دستور ہند کے تحفظ کی طویل تحریک ہے۔جن ریاستوں میں بی جے پی کی حکومت ہے،وہاں اظہار خیال کے دیگر طریقوں پرعمل کیا جائے،مثلاً کسی ہال میں جمع ہوکر دانشوران اپنی بات پیش کریں۔کسی بےقصور انسان کی ہلاکت انتہائی افسوس ناک ہے۔

این آر سی اور سی اے اے:منفی جہات ومشکلات

این آر سی کا نفاذ ایک گہری سازش ہے۔اس میں شہریت کا دارومدار محض ڈاکومنٹس پر ہے۔اگر کوئی حقیقت میں بھارتی ہے،لیکن ڈاکومنٹس میں کچھ کمی بیشی ہے،نام کی اسپیلنگ میں کچھ غلطی ہوگئی تو اس کی شہریت خطرے میں آجاتی ہے۔گھر کے چار بچوں میں سے بعض ملکی اور بعض غیر ملکی قرار پاتے ہیں۔یہ عجب شہریت ہے،حقیقت کی بجائے ڈاکومنٹس پر ساری بنیاد ہے۔این آرسی کے ذریعہ ملک بھر میں رشوت خوری کا ایک ماحول پیدا ہوجائے گا اورغریبوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔وہ افسروں کو رشوت دینے کے لیے رقم کہاں سے لائیں گے؟

آسام این آرسی فائنل میں سابق صدر جمہوریہ مسٹر فخرالدین علی احمد (۱۹۰۵ء-۱۹۷۷ء) کے بڑے بھائی لفٹنٹ احترام الدین علی احمد کے نام کی اسپیلنگ میں کچھ غلطی کے سبب ان کے بیٹے ضیاء الدین علی احمد ساکن رنگیا ضلع کامروپ (آسام) اوران کے گھر کے آٹھ افراد کے نام نہیں۔آسام کی سابق کانگریسی چیف منسٹر سیدہ انورہ تیمور،اے آئی یوڈی ایف کے ایک موجودہ ممبر اسمبلی،ایک سابق ممبر اسمبلی کے نام نہیں۔کانگریس کے ممبر اسمبلی الیاس علی کی بیٹی کا نام نہیں۔متعدد سرکاری ملازمین اور کرگل جنگ کے سابق فوجی محمد ثناء اللہ کا نام نہیں، یعنی اب ان سب کو اپنی شہریت کے واسطے کورٹ جانا ہوگا۔کورٹ میں معاملات چند دنوں میں حل نہیں ہوتے،بلکہ کئی سال لگ جاتے ہیں ۔شہریت کے مقدمات ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ جاتے ہیں۔وکیل کی فیس بھی مہنگی ہوتی ہے۔غریب لوگ اتنی فیس کہاں سے لائیں گے؟

پارلیامنٹ میں شہریت ترمیمی بل (CAB) پر بحث کے دوران مذکورہ چھ اہل مذاہب پر دھرم کی بنیاد پر ظلم وستم کا خوب چرچا کیا گیا اوراسی بنیاد پر شہریت کی بات کی گئی،لیکن ایکٹ میں ظلم وستم کا ذکر نہیں۔اس کا واضح مفہوم ہے کہ تینوں پڑوسی ممالک سے چھ مذاہب کے لوگ کسی بھی سبب سے آئیں تو ان کو شہریت دی جائے گی،اور پارلیامنٹ میں مذہبی بنیاد پر ظلم وستم کا ذکر محض مسلمانوں کو اس قانون سے

خارج کرنے کے واسطے تھا کہ وہاں کسی مسلمان پر مذہبی بنیاد پر ظلم وستم نہیں ہوسکتا اور ہم نے یہ قانون مذہبی بنیاد پر مظلوم لوگوں کے واسطے بنایا ہے۔ پاکستان میں مہاجرین، بلوچ، ہزارہ، احمدیہ اور شیعوں پر ظلم ہوتا ہے۔ مہاجرین دراصل انڈین ہیں، ان کو شامل کرنا ضروری تھا۔

مرکزی حکومت نے شہریت ترمیمی ایکٹ اہل ملک کو سمجھانے کے واسطے مختلف اقدام کیے، اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ یہ قانون کسی بھارتی کی شہریت کو ختم نہیں کرتا، حالاں کہ اس موقع پر متعدد امور انتہائی قابل توجہ ہیں۔

پہلی بات یہ کہ این آرسی (NRC) یہ واضح کرتا ہے کہ جس شہریت کی بات کی جارہی ہے، اس کا دارومدار کاغذوں پر ہے، حقیقت پر نہیں۔ ہمیں یہاں کا شہری تسلیم نہیں کیا گیا، بلکہ ہم کو شہریت ثابت کرنی ہوگی۔ اب جو ڈاکومنٹس کے سہارے اپنی شہریت ثابت کردیا، وہ شہری ہے۔ دوسرے لوگ بھارت کے شہری تسلیم نہیں کیے جائیں گے، خواہ ان کے آباواجداد صدیوں سے بھارت میں رہتے ہوں۔ ایسی صورت میں کروڑوں بھارتی شہریت سے محروم قرار پائیں گے۔ ان کا کیا ہوگا؟

سی اے اے واضح کرتا ہے کہ شہریت سے محروم ہوجانے والے لوگ اگر غیر مسلم ہیں تو ان کو سی اے اے کے ذریعہ شہریت مل جائے گی، اور مسلم ہیں تو شہریت سے محرومی ان کا دائمی مقدر قرار پائے گا۔ اس طرح این آرسی بلاتفریق مذہب وملت کسی کی بھی شہریت کو ختم کر دے گا اور سی اے اے خاص کر مسلم کمیونٹی کی شہریت کو ختم کردے گا، پس دونوں قانون بھارتیوں کے لیے نقصان دہ ہیں۔ این پی آر (NPR)، این سی آر کے لیے معاون ومددگار ہے۔ بھاجپائی این پی آر اور کانگریسی این پی آر میں طریق کار اور مقصد کا فرق ہے۔

دوسری بات یہ کہ این آرسی سے رشوت خوری کا بازار گرم ہوگا۔ خبروں کے مطابق آسام میں این آرسی کے موقع پر بعض لوگوں کو محض اپنی شہریت ثابت کرنے کے واسطے ساٹھ ہزار تک خرچ کرنا پڑا۔ یہ بھارت کے شہریوں پر ایک بلاوجہ بوجھ ہے۔ ڈاکومنٹس بنانے کے واسطے بھاگ دوڑ کرنا اور رقم خرچ کرنا غریبوں کو سخت مشکلات میں مبتلا کردے گا۔ جو لوگ بیرون ممالک یا دوسرے شہروں میں کسب معاش میں مصروف ہیں۔ انہیں اپنے روزگار کو چھوڑ کر اپنے شہر جانا ہوگا، اور کاغذوں کی تیاری میں مشغول ہونا پڑے گا۔ جب تک ان کی شہریت ثابت نہیں ہوجاتی، اس وقت تک وہ ذہنی کلفت وخلجان میں مبتلا ہوں گے۔ اس طرح این آرسی ذہنی، جسمانی اور معاشی پریشانیوں کا سبب ہوگا۔

این آرسی کی مشکلات کے سبب آسام میں بہت سے لوگوں نے خودکشی کرلی ہے۔ حکومت کے وسائل بہت وسیع ہوتے ہیں، اس لیے حکومت کوئی ایسا طریق کار اختیار کرے، جس سے وہ غیر ملکیوں کی پہچان کرسکے، اور بھارتیوں کو کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔ سپریم کورٹ کے مشہور وکیل محمود پراچہ نے بتایا ہے کہ کچھ ایسے طریقے ہیں کہ این پی آر اور این آرسی کے بغیر بھی غیر ملکیوں کی شناخت کی جاسکتی ہے۔

سی اے اے میں بتایا گیا کہ 31 دسمبر 2014 سے قبل جو غیر مسلم بھارت آچکے ہیں، ان کو شہریت دی جائے گی۔ اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ مذکورہ تینوں پڑوسی ممالک میں مقیم غیر مسلموں سے اس قانون کا کچھ تعلق نہیں، بلکہ جو بھارت میں موجود ہیں، ان کے لیے یہ قانون ہے۔ اب اس قانون کا نفاذ اسی وقت ہوگا، جب کسی کا غیر بھارتی ہونا ثابت ہوجائے۔ باشندگان ملک کو غیر بھارتی ثابت کرنے کے واسطے این آرسی اور این پی آر ہے۔ ان دونوں میں شہریت کی بنیاد کاغذات پر ہے۔ جب بہت سے اہل ملک غیر شہری ثابت ہوگئے تو اب ان کا مذہب دیکھا جائے گا کہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم؟ اگر وہ غیر مسلم ہے تو پناہ گزیں (شرنارتھی) ہے اور مسلم ہے تو گھس پیٹھیا ہے۔ یہ تفریق صاف طور پر مذہبی بنیاد پر کی جارہی ہے، اور یہ دستور ہند کے خلاف ہے اور آر ایس ایس کے ہندو راشٹر کے ایجنڈا کے موافق ہے۔ اس قانون کا تعلق اہل ملک سے ہے۔ پڑوسی ممالک میں مقیم مسلم یا غیر مسلم سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ اہل حکومت کا خود اقرار ہے کہ یہ ہمارا داخلی معاملہ ہے۔

کیا 2014 کے بعد مذکورہ تینوں پڑوسی ممالک میں مذہبی منافرت ختم ہوچکی ہے؟ اگر ختم نہیں ہوئی تو وہاں کے مقیم غیر مسلموں سے

حمایت کا کوئی جذبہ اس قانون میں نظر نہیں آتا، بلکہ ملک میں موجود لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہے۔ کاغذی شہری اور غیر کاغذی شہری۔ غیر کاغذیوں میں جو مسلمان ہوں گے، ان کے لیے ابھی سے منافرت کا جذبہ پیدا کیا جا رہا ہے۔ گھس پیٹھیا کا لفظ کس قدر حقارت ومنافرت کو ظاہر کرتا ہے، یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ ملکی اقلیتوں پر ظلم وستم اور پڑوسی ممالک کی اقلیتوں پر رحم وکرم کا دعویٰ قابل تعجب اور پر فریب ہے۔

جس طرح مذکورہ تینوں ممالک میں غیر مسلم اقلیت میں ہیں، اسی طرح فرقہ احمدیہ، شیعہ وغیرہ بھی اقلیت میں ہیں۔ ان کو پناہ وشہریت دینے کا سوال ہوا تو حکومت نے کہا کہ مسلمانوں کے لیے بہت سے ممالک ہیں، وہ کہیں بھی جا سکتے ہیں، حالاں کہ سی اے اے میں مذکورہ چھ اہل مذاہب میں سے عیسائیوں کے لیے بے شمار ممالک ہیں۔ تمام یوروپین ممالک میں عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ چین، جاپان، سنگاپور، میانمار، شری لنکا، ویتنام، ساؤتھ کوریا، تھائی لینڈ، بھوٹان، منگولیا وغیرہ میں بدھسٹوں کی اکثریت ہے۔ ہندؤں کے لیے نیپال ہے۔ وہ ہندو راشٹر تھا۔ 28: مئی 2008 کو سیکولر جمہوری نظام اختیار کیا۔ ہندو راشٹر سیکولر بن گیا اور آر ایس ایس سیکولر ملک کو ہندو راشٹر بنانا چاہتا ہے۔

بھارت کے پڑوسی ممالک میں چین، میانمار، شری لنکا او بھوٹان بھی ہیں۔ افغانستان کی سرحد بھارت سے متصل نہیں۔ اس کو پڑوسی ملک قرار دینا مشکل ہے، وہاں غیر مسلم بہت کم ہیں۔ شری لنکا میں تمل پر ظلم ہوتا ہے۔ تمل میں ہندو ومسلم دونوں قومیں ہیں۔ ہندؤں کی اکثریت ہے۔ بھوٹان میں عیسائیوں پر ظلم ہوتا ہے۔ چین میں مسلمانوں پر ظلم ہوتا ہے۔ میانمار میں روہنگیا پر ظلم ہوتا ہے۔ روہنگیا میں بھی ہندو ومسلم دونوں قومیں ہیں، مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ان پڑوسی ممالک میں مذکورہ مظلوم اقوام اقلیت میں ہیں۔ ان ممالک کی اقلیتوں کو بھی پناہ وشہریت دینی چاہئے، لیکن اس قانون سے کسی مظلوم کو شہریت دینا مقصود نہیں ہے، بلکہ شہریت ترمیمی بل میں ان تین مسلم ممالک میں غیر مسلموں پر ظلم وستم کا چرچا کر کے بھارت کے ہندؤں کو ورغلانا اور مسلمانوں کے خلاف کرنا ہے، یعنی پہلے سی اے اے (CAA) کے ذریعہ ان ممالک کے مسلمانوں کے خلاف زہر بھر دیا جائے، اور پھر این آر سی کے ذریعہ بھارت کے بہت سے مسلمانوں کو بنگلہ دیشی، پاکستانی اور افغانی ثابت کر دیا جائے۔ یہ ثابت ہوتے ہی یہاں کی غیر مسلم اقوام ان مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گی، کیوں کہ زہر کا انجکشن پہلے ہی دیا جا چکا تھا۔ مذکورہ تینوں ممالک سے آئے ہوئے چند غیر مسلموں کے بیانات آج بھی میڈیا پر پیش کیے جا رہے ہیں، اور ہندؤں کو ورغلانے کی کوشش جاری ہے۔

بھاجپا کو خفیہ مقصد میں سخت ناکامی

ملک بھر میں شور مچایا گیا کہ بھارت کے تین پڑوسی ممالک میں مسلمانوں کی طرف سے غیر مسلموں پر دھرم کی بنیاد پر مظالم ہوتے ہیں اور ظلم وجبر سے تنگ آ کر وہاں کے غیر مسلم بھارت آنا چاہتے ہیں، اس لیے شہریت ترمیمی بل لایا گیا۔ خیال تھا کہ مسلم ممالک میں غیر مسلموں پر ظلم وستم کی خبر سن کر بھارت کے تمام غیر مسلم جذباتی ہو جائیں گے، اور ملک بھر میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو جائے گا، پھر شہریت ترمیمی قانون، این آر سی کے ساتھ مل کر ملک کو ہندو راشٹر بنا دے گا، اور مسلم کمیونٹی کے بہت سے افراد کو ڈٹنشن سنٹر میں بھی ڈال دیا جائے گا، تا کہ مسلمانوں کو مصیبتوں میں مبتلا دیکھ کر بھاجپائیوں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو، لیکن رب تعالیٰ کی قدرت کہ یہی قانون بھارت کی تمام مظلوم اقوام یعنی ایس سی، ایس ٹی، او بی سی، مسلم کمیونٹی اور آریائی اقوام کے سیکولر مزاج افراد کے اتحاد کا سبب بن گیا اور ایک عظیم تحریک کا آغاز ہوا کہ اگر استقامت وپامردی اور ہوش مندی سے کام لیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بھارت کی تاریخ بدل جائے گی، اور ظلم وعصبیت کا خرمن خاکستر ہو جائے گا۔

سی اے بی میں مذکور بھارت کے تینوں پڑوسی ممالک سیکولر اسٹیٹ ہیں، وہ اسلامی ریاست نہیں۔ صرف سعودیہ عربیہ میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہوتا ہے۔ گرچہ مذکورہ تینوں ممالک کے دستور میں ان ممالک کو اسلامی جمہوریہ (Islamic Republic) لکھا گیا، لیکن وہ اسلامک اسٹیٹ نہیں ہیں؟ بنگلہ دیش کے دستور میں اسلامک ری پبلک نہیں لکھا ہے۔ 1971 میں بنگلہ دیش کے قیام کے وقت ہنگاموں

کے سبب بہت سے بنگلہ دیشی بھارت منتقل ہو گئے۔اس میں مسلم وغیر مسلم دونوں شامل ہیں۔یہ مذہبی تشدد کے شکار نہیں، بلکہ سیاسی ہنگامہ آرائی کے شکار تھے۔بنگلہ دیش کے قیام میں بھارت نے مدد کی تھی،اور متاثرین کو بھارت میں پناہ لینے کی اجازت تھی۔

پاکستان وبنگلہ دیش میں غیر مسلموں کی تعداد گھٹ جانے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔پاکستان میں غیر مسلموں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔

پاکستان کا پہلا وزیر قانون جوگیندر ناتھ منڈل (۱۹۰۴ء-۱۹۶۸ء) ایک بنگالی ہندو تھا،اور دلت قوم (SC) سے تھا۔پاکستان کے دستور میں ایس سی کے لیے چھ فیصد ریزرویشن تھا اور دیگر اقلیتوں (ہندو،عیسائی،پارسی،جین،بہائی،سکھ،بدھسٹ) کے لیے گیارہ فی صد ریزرویشن مقرر کیا گیا تھا۔بھارت میں مذہبی اقلیتوں کے لیے ریزرویشن نہیں۔ایس سی وایس ٹی اور بعد میں او بی سی کے لیے مقرر رہا۔

متحدہ ہندوستان میں 1941 میں مردم شماری (census) ہوئی، پھر ہندو پاک میں 1951 میں مردم شماری ہوئی۔جس سے معلوم ہوا کہ قریباً ڈیڑھ کروڑ لوگ ہجرت کر چکے ہیں۔73:لاکھ لوگ بھارت سے پاکستان گئے۔65:لاکھ مغربی پاکستان (موجودہ پاکستان) اور تقریباً آٹھ لاکھ لوگ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) منتقل ہو گئے۔پاکستان سے بھارت جانے والوں کی تعداد بھی قریباً73:لاکھ تھی۔مغربی پاکستان سے 47:لاکھ اور مشرقی پاکستان سے 26:لاکھ لوگ بھارت گئے۔بھارتی پنجاب سے 57:لاکھ لوگ پاکستان گئے۔یہ کل مہاجرین کا اسی فیصد تھا۔1951 سے 1961 تک مزید آٹھ لاکھ لوگ پاکستان چلے گئے۔برطانوی حکومت نے تقسیم میں جلد بازی کی اور تقسیم کے صحیح انتظامات نہ کرسکی،اس لیے تقسیم کے وقت دونوں ملکوں میں کشت وخون کا بازار گرم ہوا۔مہاجرین بھی کثیر تعداد میں مارے گئے۔

1951 کی مردم شماری میں مغربی پاکستان (موجودہ پاکستان) میں غیر مسلم آبادی %3.44 تھی،اور مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں %23.20 تھی۔1951 میں متحدہ پاکستان میں مسلم آبادی %85.80 تھی اور غیر مسلم آبادی %14.20 تھی۔

1998 میں موجودہ پاکستان میں غیر مسلم آبادی 3.72 تھی،اور 2017 کی مردم شماری میں 3.53 ہے،یعنی پاکستان میں 1951 کے بعد غیر مسلموں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔تعداد گھٹ جانے کا الزام غلط ہے۔بنگلہ دیش میں 2011 میں غیر مسلموں کی تعداد %9.60 ہوگئی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ 1971 میں بنگلہ دیش کے قیام کے وقت بہت سے غیر مسلم بھارتی ریاستوں کی طرف آگئے۔

مسلمانوں اور دلتوں پر ظلم وستم

مئی 2014 میں بی جے پی مرکز میں برسر اقتدار آئی۔اسی سال سے مسلمانوں اور دلتوں کی ماب لنچنگ شروع ہوئی۔آج تک سو سے زائد بے قصوروں کو ہلاک کیا جاچکا ہے۔حکومت نے آج تک ماب لنچنگ کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا،لیکن کئی ایسے قانون بنائے گئے، جن سے مسلمانوں اور دلتوں کو مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے۔مسلمانوں کو پریشان حال اور مصیبتوں میں مبتلا دیکھ کر تعصب پرست بھاجپائیوں کے دلوں کو سکون محسوس ہوتا ہے۔سی اے اے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کو ڈٹنشن کیمپ میں دیکھ کر بھاجپائیوں کے دلوں کو سکون محسوس ہوگا۔آسام میں چھ کیمپ بنے ہوئے ہیں اور مزید کئی کیمپ بنائے جارہے ہیں۔بی جے پی حکومت والی دیگر ریاستوں میں بھی کیمپ بنانے کی خبر ہے،تاکہ کثیر تعداد میں مسلموں کو کیمپ میں ڈالا جائے اور بھاجپائیوں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو۔کیمپ میں کسی کو ہلاک کرنے پر مقدمہ بھی نہیں ہوگا۔

دلتوں اور آدی واسیوں کے لیے دستور ہند میں ریزرویشن کا حق دیا گیا ہے۔سرکاری نوکریوں میں دلتوں اور آدی واسیوں کا خاص کوٹہ ہوتا ہے۔آر ایس ایس کے ایجنڈا میں اس ریزرویشن کو ختم کرنے کا پلان شامل ہے۔ابھی مرکزی حکومت سرکاری کمپنیوں کو بیچ رہی ہے ،تاکہ ان کمپنیوں میں آرین اقوام کو ملازمت دی جاسکے اور دلتوں اور آدی واسیوں کو غربت میں مبتلا رکھا جائے،تاکہ وہ ہمیشہ کی طرح غلامی کی ذلت میں مبتلا رہیں۔جب دلتوں کی معاشی حالت درست ہونے لگتی ہے تو وہ تعلیم کی طرف آجاتے ہیں۔پڑھ لکھ کر انہیں معلوم ہوتا ہے

کہ برہمنوں نے ہمیں تین ہزار سال سے غلام اور شودر بنا رکھا ہے تو وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اسی لیے انہیں تعلیم سے محروم اور مفلوک الحال رکھنے کی مکمل کوشش کی جارہی ہے۔ برہمنی نظام میں تعلیم، دولت اور حکومت سے دلتوں کو محروم رکھنے کا حکم ہے، تاکہ وہ غلام بنے رہیں۔

چوں کہ ملک میں دلتوں اور آدی واسیوں کی کثیر تعداد ہے اور بھاجپا ان سے ووٹ لیتی ہے، اس لیے دلتوں اور آدی واسیوں کے خلاف خفیہ سازشیں کی جاتی ہیں، اور مسلمانوں کے خلاف اعلانیہ طور پر سازش ہوتی ہے، تاکہ قوم مسلم کو مصیبتوں میں مبتلا دیکھ کر منوواد یوں اور بھاجپائیوں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو، اور بھاجپائی نظریات کے حاملین کو متحد کر کے بی جے پی کا ووٹ بینک مضبوط کیا جائے۔ بھاجپا نے ای وی ایم سے الیکشن جیت لیا اور اب ہندو راشٹر بنانے کے واسطے نعرہ دیا گیا: (ابھی نہیں تو کبھی نہیں)، کیوں کہ مستقبل میں بھاجپائی حکومت کی امید نہیں۔

مسلمانوں کو ذہنی وجسمانی اذیت میں مبتلا رکھنے کے لیے تین طلاق قانون (31: جولائی 2019)، کشمیر سے دفعہ: 370 اور دفعہ: 35 A کی منسوخی (5: اگست 2019)، بابری مسجد کا غیر منصفانہ فیصلہ (9: نومبر 2019)، بابری مسجد ریویو پٹیشن کی عدم قبولیت (12: دسمبر 2019)، شہریت ترمیمی قانون (12: دسمبر 2019) اور پھر این آر سی کے نفاذ کی کوشش ہوگی، اس کے بعد ڈٹینشن سنٹر کا نمبر ہوگا۔

تعلیم، دولت اور حکومت سے محروم رکھنا یعنی غلام بنانا

آرین اقوام 1500 قبل مسیح میں بھارت آئیں۔ آریوں نے بھارت کے اصلی باشندوں کو شودر بنا کر انہیں تعلیم، دولت اور حکومت سے محروم رکھا۔ اس طرح برہمنی نظام نے انہیں تین ہزار سال تک غلام بنائے رکھا۔ آزادی ہند کے بعد دستوری حقوق ملے، لیکن اب پھر دلتوں، آدی واسیوں اور مسلمانوں کو تعلیم، دولت اور حکومت سے الگ رکھنے کی گہری سازش ہے۔ این سی آر کے ذریعہ بہت سے مسلمانوں کو غیر شہری قرار دیا جائے گا، پھر وہ ڈٹنشن کیمپ میں حیوانوں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے، یا مرتد ہو کر شہریت حاصل کریں گے۔

این آر سی کے بعد دلتوں، آدی واسیوں اور او بی سی کو ہندو کے نام پر سی اے اے کے ذریعہ بھارت کی شہریت دی جائے گی، لیکن ان کے لیے پارلیامنٹ، اسمبلی، پنچایت، میونسپلٹی و کارپوریشن وغیرہ میں جو ریزرویشن ہے، وہ ختم کر دیا جائے گا، یعنی حکومت سے بے دخل ہو گئے۔ ملازمتوں میں جو ریزرویشن ہے، اس سے محروم کر دیا جائے گا، اس طرح وہ دولت سے محروم ہو گئے۔ جب معاشی حالت خراب ہوگی تو تعلیم سے خود بخود محروم ہو جائیں گے۔ اب وہ برہمنوں کے تین ہزار سالہ مظالم سے غافل ہوں گے اور برہمنوں کی غلامی میں روز و شب بسر کریں گے۔ آر ایس ایس نے آزادی ہند کے وقت دستور ہند کی مخالفت کی تھی اور منوسمرتی کو نافذ کرنے کی وکالت کی تھی۔

اب جب کہ بھاجپا برسر اقتدار ہے تو خفیہ طریقے پر منوسمرتی کے نفاذ کی کوشش ہو رہی ہے۔ بھاجپائی حکومت بھارت کو ہندو راشٹر بنانے کے واسطے مختلف قسم کے حیلے اپنا رہی ہے۔ این آر سی اور سی اے اے پر مظاہروں نے زور پکڑا تو این پی آر (NPR) کا آغاز کر دیا۔ این پی آر بھی این آر سی کا پہلا قدم ہے۔ ذات پات کے نظام میں برہمنوں کو بھگوان کا درجہ دیا گیا ہے، دستور ہند مساوات کو بتاتا ہے، اس لیے دستور کو دفن کرنا لازم ہے۔ سی اے اے کے ذریعہ اسی مساوات کو توڑنا ہے۔ اسی طرح برہمن قوم جب کسی قوم کو برباد کرنا چاہتی ہے تو اسی قوم کے کسی فرد کو سردار بنا دیتی ہے۔ ابھی صدر جمہوریہ دلت اور وزیر اعظم او بی سی ہے۔ اسی مدت میں ان دونوں قوموں کو بھی تباہ کیا جائے گا۔

بھارت کے اصل باشندگان اور ان کے قائدین

ماضی قریب میں بھارت کی پسماندہ اقوام میں متعدد سماجی مصلحین نے جنم لیا، جنہوں نے برہمنی نظام اور منوسمرتی کے اصول وقوانین کی مخالفت کی۔ جیوتی با پھولے، سوامی پیریار اور امبیڈکر مشہور نام ہیں۔ بھارت میں آرین اقوام وسط ایشیا سے آئی ہے۔ اگر بھارت کے اصلی باشندگان یعنی پسماندہ اقوام تعلیم پا کر باشعور ہو گئے تو برہمنوں کی سازشوں کے ٹوٹنے میں دیر نہ لگے گی۔ اب کچھ بیداری آ چکی ہے۔

ہندو مسلم فسادات میں پسماندہ اقوام کو ورغلا کر مسلمانوں پر حملے کرائے جاتے تھے۔ اب چوں کہ یہ لوگ تعلیم پا کر برہمنی سازشوں سے واقف و آشنا ہو چکے ہیں، اس لیے فرقہ وارانہ فسادات کم ہوتے ہیں۔ ان کے سماجی قائدین پھولے، پیریار اور امبیڈکر کا ذکر درج ذیل ہے۔

جیوتی با پھولے: پسماندہ اقوام میں ایک مشہور نام جیوتے با پھولے (Jyotiba Phule) کا ہے۔ مہاراشٹر کے مقام کاٹگن ضلع ستارہ (Katgun; Satara) میں جیوتی با پھولے (۱۸۲۷ء-۱۸۹۰ء) کی پیدائش ہوئی۔ پونے (Pune) مہاراشٹر میں موت ہوئی۔

جیوتی با پھولے نے برہمنوں کے خود ساختہ ذات پات کے نظام (Caste System) کی پرزور مخالفت کی۔ چھوت چھات (Untouchabliity) کے عقیدہ و دیگر برہمنی خرافات کے خلاف آواز بلند کی۔ عورتوں کو سیاسی وسماجی وانسانی حقوق دلانے کی کوشش کی۔ 24: ستمبر 1873 کو اس نے ستیا شودھک سماج (Satyashoodhak Samaj) نامی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس کے ذریعہ اس نے پسماندہ اقوام کے لیے دیگر اونچی ذات (Upper Caste) والی قوموں کے برابر حقوق کے نظریہ کو فروغ دیا۔ اس نے متعدد مضامین ورسائل لکھے۔ اس کی مشہور کتاب ''غلام گیری'' ہے۔ یہ کتاب دلت و پسماندہ اقوام کو غلام بنانے کی سازش کو بے نقاب کرتی ہے۔

پیریار: ای وی راماسامی (Periyar E. V.Ramasamy) (۱۸۷۹ء-۱۹۷۳ء) نے ایک سماجی کارکن اور سیاسی رہنما کی حیثیت سے شہرت پائی۔ ریاست تمل ناڈو کے ضلع ایروڈ (Erode) میں پیدائش ہوئی، اور تمل ناڈو کے شہر ویلور میں موت ہوئی۔

پیریار نے برہمنی نظام کے خلاف اعلانیہ آواز بلند کی۔ عورتوں کے حقوق کی آواز اٹھائی، ہندوازم کی مخالفت کی۔ اس نے سلف ریسپکٹ مومنٹ (Self Raspect Movement) کے نام سے ایک سماجی تحریک کا آغاز کیا، اور ڈراوڈر کا گزم (Daravidar Kazhagam) نامی سیاسی تحریک شروع کی۔ چنئی اور تمل ناڈو میں ڈراوڈ قوم کی تحریکیں اسی کے نظریات پر قائم ہوئیں۔ ڈراوڈ قوم بھارت کی اصلی اقوام میں سے ہے، جن کو مول نواسی کہا جاتا ہے۔ یہ قوم ساؤتھ انڈیا میں آباد ہے۔ ڈراوڈ قوم بھی برہمنی نظام میں شودر قرار پائی تھی۔

جیوتی با پھولے اور پیریار دونوں نے اسلام کی جانب اپنا رجحان ظاہر کیا، لیکن دونوں اسلام سے محروم رہے۔ جیوتی با پھولے نے ایک منظوم کتاب مانو محمد ﷺ (ManaV Muhammad) لکھی اور پیریار نے بھی اسلام کے بارے میں عمدہ خیالات کا اظہار کیا۔ جی الوسیس (G Aloysius) نے ایک کتاب پیریار آن اسلام (Periyar on Islam) لکھی ہے۔ اس میں اسلام سے متعلق پیریار کے خیالات منقول ہیں۔ یہ دونوں اگر چہ ہندو دھرم میں پیدا ہوئے تھے، لیکن آخر کار دونوں نے ہندوازم کی مخالفت کی تھی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندو دھرم چھوڑ کر بدھ دھرم کو اختیار کر لیا۔ چوں کہ بدھ مذہب کے بہت سے طور طریقے ہندو دھرم سے مطابقت رکھتے ہیں، اس لیے اس نے بدھ مذہب کو اختیار کیا اور اسلام مذہب کو اختیار نہ کیا۔ آج بھی بھارت کی پسماندہ اقوام کے تعلیم یافتہ افراد خود کو ہندو تسلیم نہیں کرتے، گر چہ حکومت کی نظر میں وہ ہندو ہیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے دستور ہند میں ان کو ہندو دھرم سے نکال کر ایس سی (SC) اور ایس ٹی (ST) قرار دیا۔

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر: ڈاکٹر امبیڈکر کی پیدائش 14: اپریل ۱۸۹۱ء کو مہو، مدھیہ پردیش (Mhow, MP) میں ہوئی۔ 6: دسمبر ۱۹۵۶ء کو دہلی میں موت ہوئی۔ آزادی ہند کے بعد 29: اگست 1947 کو ڈاکٹر امبیڈکر کو دستوری ڈرافٹنگ کمیٹی کا چیئر مین منتخب کیا گیا۔ امبیڈکر کا تعلق مہاراشٹر کی ہندو دلت (Dalit) قوم سے تھا، جو مہر (Mahar) کہلاتی ہے۔ ہندو مذہب میں چھوت چھات (Untouchability) کے رواج کے سبب ڈاکٹر امبیڈکر نے 14: اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ناگپور (مہاراشٹر) میں ہندو مذہب کو ترک کر کے بدھ مذہب کو قبول کر لیا۔ امبیڈکر کو دیکھ کر اس کے دلت معتقدین میں سے قریباً پانچ لاکھ لوگوں نے بدھ دھرم کو قبول کر لیا۔ چھوت چھات کے خلاف امبیڈکر کی تحریک 1920 سے اپنی موت تک جاری رہی، لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ امبیڈکر سب سے مشہور دلت لیڈر رہے۔

کانشی رام: کانشی رام (۱۹۳۴ء-۲۰۰۶ء) نے بھی پسماندہ اقوام کو جگانے کی بہت کوشش کی۔ روپ نگر (Rupnagar) پنجاب

میں اس کی پیدائش ہوئی اور دہلی میں موت ہوئی۔ کانشی رام نے سماجی بیداری کے لیے 1971 میں بام سیف (BAMCEF) بنائی، اور 14: اپریل 1984 کو بہوجن سماج پارٹی (BSP) کی تشکیل کی۔ پسماندہ قومیں بیدار ہو چکی ہیں، پتہ نہیں مسلمان کب جاگیں گے؟

اوبی سی قائدین: اوبی سی میں متعدد سیاسی قائدین ہوئے۔ لالو پرساد یادو، ملائم سنگھ یادو مشہور نام ہیں۔ ملائم سنگھ یادو نے 04: اکتوبر 1992 کو سماج وادی (SP) پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اتر پردیش میں کئی سالوں تک اس پارٹی کی حکومت رہی۔ لالو پرساد یادو نے 05: جولائی 1997 کو راشٹریہ جنتادل (RJD) بنایا۔ ریاست بہار میں کئی بار اس پارٹی کی حکومت ہوئی۔ بھارتی کسانوں کی بڑی تعداد اوبی سی ہے۔

اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ بی جے پی دراصل آر ایس ایس کی آغوش میں پروردہ ایک سیاسی پارٹی ہے۔ وہ محض آرین اقوام کی خیر خواہ ہے۔ جس طرح ایک قانون کے آنے پر سارا ملک روڈ پر اتر چکا ہے۔ اگر یہی تحریک الیکشن کے موقع پر ہو جائے تو ساری کلفت کا خاتمہ ممکن ہے۔ انتخابات کے موقع پر ایک سیٹ پر متعدد امیدوار قسمت آزمائی کرتے ہیں۔ ووٹ تقسیم ہو جانے کے سبب سیکولر پارٹیاں ہار جاتی ہیں اور بی جے پی جیت جاتی ہے۔ ایسی صورت میں لازم ہے کہ ایک ریاست میں موجود تمام سیکولر پارٹیاں متحد ہو جائیں اور سیٹوں کی تقسیم کر لی جائے۔ بابری مسجد فیصلہ، شہریت ترمیمی بل اور این آر سی کے ہنگاموں کے درمیان جھارکھنڈ میں اسمبلی انتخابات ہوئے۔ 23: دسمبر 2019 کو نتائج آئے اور بی جے پی کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہاں جھارکھنڈ مکتی مورچہ، کانگریس اور آر جے ڈی نے اتحاد کر لیا تھا۔

دانش مندی یہی ہے کہ موجودہ صورت حال میں ایس سی، ایس ٹی، اوبی سی، مسلم قوم و دیگر سیکولر افراد کا ایک متحدہ محاذ قائم ہو، اور مستقبل کی پلاننگ کی جائے۔ مسلم قوم اپنی حصہ داری کی بات کرے، کیوں کہ ہر سیکولر پارٹی کو ہم نے سہارا دیا اور جب ہمیں سہارا کی ضرورت پڑی، تو وہ ہمیں دھوکہ دے گئی۔ کانگریس ہو، یا اوبی سی یا دلتوں کی سیاسی پارٹیاں۔ ہر ایک نے اپنوں کے لیے کام کیا اور ہمیں صرف ووٹ بینک کے طور پر استعمال کیا۔ یہ لوگ مسلم قیادت کو بھی قائم نہیں ہونے دیں گے۔ بیرسٹر اسدالدین اویسی کی پارٹی سے کوئی سیاسی پارٹی اتحاد نہیں کرتی ہے۔ اگر وہ تنہا الیکشن میں حصہ لے تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ مجلس مختلف ریاستوں میں اسمبلی و پارلیامنٹ کے چند امیدوار ضرور لائے، خواہ کامیابی ہو یا ناکامی۔ مسلسل کوشش کے بعد امید ہے کہ دیگر سیاسی پارٹیاں مجلس سے اتحاد پر آمادہ ہو جائیں۔

بھارتی مسلمان کئی مذہبی طبقات میں منقسم ہیں۔ آزادی کے بعد اہل سنت و جماعت کے علما نے خود کو سیاست سے الگ کر لیا۔ جمعیۃ العلما (دیوبندی گروپ) سیاسی امور کی جانب متوجہ رہی، لیکن اس نے ہمیشہ کانگریس کی حمایت کی، اور مسلمانوں کے مفادات سے چشم پوشی کی۔

سلطنت مغلیہ میں علمائے کرام حکومتی عہدوں پر فائز تھے، خاص کر عدالت گاہوں کے قاضی یعنی جج کا عہدہ علمائے کرام کے پاس ہوتا تھا۔ پہلی جنگ آزادی (1857) میں علمائے کرام نے اہم کردار ادا کیا تھا- پہلی جنگ آزادی میں اہل ملک کامیاب نہ ہو سکے۔ انگریزوں نے فتح یابی کے بعد علمائے کرام اور آزادی کے محرکین پر بہت ظلم وستم ڈھائے۔ لاکھوں کی تعداد میں علمائے کرام و دیگر بھارتیوں کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ 1857 سے قبل ہی برہمن درپردہ انگریزوں سے مل چکے تھے۔ برہمن قوم نے سلطنت مغلیہ سے بھی روٹی بیٹی کا معاملہ کر لیا تھا۔

28: دسمبر 1885 کو برہمنوں نے کانگریس پارٹی تشکیل دی۔ اس نے آزادی کی تحریک چلائی۔ آزادی کی تحریک میں بہت سے علما وعمائدین شریک رہے۔ آزادی کے بعد سیاسی کمان کانگریس نے سنبھال لیا اور پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں کو سیاست وحکومت سے دور کر دیا گیا۔

بی جے پی اور کانگریس دونوں برہمنوں کی سیاسی پارٹی ہے۔ بی جے پی اعلانیہ طور پر ظلم کرتی ہے اور کانگریس خفیہ طور پر۔ اب علمائے اہل سنت ودانشوران قوم وملت کو سیاسی وسماجی امور کی جانب متوجہ ہونا چاہئے۔ سیاسی پارٹیوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ ای وی ایم (EVM) کی بجائے بیلٹ پیپر سے الیکشن ہو، ورنہ چند سالوں میں جمہوریت کا نام ونشان ختم ہو جائے گا۔ اسی کی کوشش جاری ہے۔

بھارت میں ہندوؤں کی تعداد بہت کم ہے

آرین اقوام سناتن دھرم کے پیروکار ہیں۔ سناتن دھرم سے بدھ مت، جین مت، سکھ مت کا وجود ہوا۔ ہندومت کسی مذہب کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک آئیڈیالوجی ہے۔ اس کی بنیاد برہمنی نظام پر ہے اور اس کی بنیادی کتاب منوسمرتی ہے۔ اسی آئیڈیالوجی کو ہندتو اور منوواد کہا جاتا ہے۔ برہمنی حکومت کے قیام کے لیے برہمنی نظام، یعنی ہندتو آئیڈیالوجی تمام مذاہب کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔

حیدرآباد میں 25: دسمبر 2019 کو آر ایس ایس چیف موہن بھاگوت کا بیان کہ ایک سوتیس کروڑ بھارتی ہندو ہیں۔ اس کا مقصد برہمنی نظام کو فروغ دینا ہے۔ عہد ماضی میں ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اوتار بتا کر مذہب اسلام کو سناتن دھرم میں ضم کرنے کی سازش ہو چکی ہے، لیکن اسلام کا نظریہ توحید اس انضمام کے لیے آہنی دیوار بن گیا۔ برہمنوں نے تمام مذاہب کو سناتن دھرم میں شامل کرنے کا عام نسخہ ایجاد کیا کہ صرف سناتن دھرم، دھرم ہے، باقی سب پنتھ ہیں، یعنی سناتن دھرم ایک سمندر ہے اور باقی سب اسی سے نکلنے والی نہریں ہیں، کیوں کہ پہلے صرف سناتن دھرم تھا، یعنی بت پرستی تھی۔ بعد میں اسی دھرم والوں نے الگ الگ راہ اختیار کی۔ اسی نظریہ کو بنیاد بنا کر موہن بھاگوت نے سب کو ہندو کہا۔ برہمن ساری دنیا کو ہندو کہتا ہے اور خود کو وشوگرو ثابت کرتا ہے۔ سوال یہ کہ وشوگرو سب سے عداوت کیوں رکھتا ہے؟

برہمنی نظام میں اصل ذات پات کا نظام ہے، اور اس میں عورتوں کو کوئی مقام حاصل نہیں، اس لیے آزاد بھارت میں ہندتو کی مخالفت ہوتی رہی ہے۔ جب ملک کی ایس سی، ایس ٹی، او بی سی قومیں اور عورتیں تعلیم یافتہ ہوتی جا رہی ہیں تو ہندتو اپنی موت مرتا جا رہا ہے، اور دستور ہند نے منوواد پر لگام لگا دی ہے۔ آر ایس ایس نے دستور ہند کو تسلیم نہیں کیا تھا اور منوسمرتی کو دستور بنانے کی سفارش کی تھی۔ بھاجپائی حکومت خفیہ طور پر منوسمرتی کے نفاذ کی سازش کر رہی ہے۔ سی اے اے (CAA) کے بعد دنیا کی تاریخ میں پہلی بار بھارت و دیگر ممالک میں لوگ ہندتو کے خلاف سڑکوں پر اتر کر اعلانیہ مخالفت کر رہے ہیں۔ بھارت میں مخالفین کی تعداد 78% بتائی جاتی ہے۔ اس کا واضح مفہوم ہے کہ ہندتو نا قابل قبول نظریہ ہے۔ ان مظاہروں نے ثابت کر دیا کہ ملک میں ہندو یعنی برہمنی نظام کے طرفدار اکثریت میں نہیں ہیں۔

برہمن قوم اسلام کو ایک زبردست خطرہ بتا کر تمام بت پرستوں کو یکجا کرنے کی سازش کر رہی ہے۔ برہمنوں نے تین ہزار سال تک مول نواسیوں پر ظلم وستم ڈھایا، حالاں کہ وہ بھی بت پرست تھے۔ اب مول نواسیوں کو سمجھ میں آ چکا ہے کہ جب ظلم کرنا ہو تو ہمیں شودر بنا دیا جاتا ہے اور جب اپنی حکومت قائم کرنی ہو تو ہمیں ہندو بنا دیا جاتا ہے۔ چوں کہ برہمن قوم سناتن دھرم مانتی ہے، اور برہمنوں نے سناتن دھرم میں منوواد اور ہندتو کو داخل کر دیا، اس لیے سناتن دھرم کو ہندو دھرم کہا جانے لگا۔ بھارت میں سناتن دھرمی قلیل تعداد میں ہیں۔

آدی واسی (ST) کا دھرم سرنا (سری مت، آدی مت) ہے۔ ایس سی (SC) اور او بی سی (OBC) کی اکثریت نے سناتن دھرم سے خود کو الگ کر لیا ہے۔ یہ لوگ ڈاکٹر امبیڈکر کے پیروکار (Followers) بن چکے ہیں۔ ماضی میں سماجی مصلحین کی پیروی کاری اور سناتن دھرم سے جدائی کی روایت بہت مشہور ہے۔ سناتن دھرم کی یہ قدیم تاریخ ہے کہ اس دھرم میں جنم لینے والے متعدد مصلحین نے منوواد (موجودہ ہندتو) کے سبب سناتن دھرم سے خود کو الگ کر لیا۔ مہاویر (۵۹۹ ق م-۵۲۷ ق م)، گوتم بدھ (۵۹۹ ق م-۵۲۷ ق م)، گرونانک (۱۴۶۹ء-۱۵۳۹ء) وغیرہ سناتن دھرم میں جنم پانے والے سماجی مصلحین تھے، جنھوں نے برہمنی نظام کا انکار کر کے مساوات کا درس دیا تھا، پھر ان کے پیروکار انہیں اپنا قائد سمجھ کر سناتن دھرم سے الگ ہو گئے۔

ڈاکٹر امبیڈکر (۱۸۹۱ء-۱۹۵۶ء) نے بھی برہمن واد کے خلاف مضبوط آواز اٹھائی، اور سناتن دھرم سے الگ ہو کر بدھ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ابھی بھارت میں ایس سی اور او بی سی کی اکثریت ڈاکٹر امبیڈکر کے پیروکار ہیں۔ اب یہ لوگ اپنے ہندو ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

بھارت میں ایس سی، ایس ٹی اور او بی سی کی مجموعی تعداد 79%، اور برہمنوں کی تعداد 3.5% بتائی جاتی ہے۔ برہمن اقتدار پر قابض ہیں۔

بام سیف (BAMCEF) کے چیف وامن میشرام نے پچاسوں بار کہا ہے کہ ایس سی، ایس ٹی اور او بی سی ہندو نہیں ہیں۔ وامن میشرام نے کہا کہ تین مذہب کی بنیاد پیدائش پر ہے: یہودی، ہندو اور پارسی۔ جو یہودی ماں باپ سے پیدا ہوگا، وہی یہودی ہوگا۔ کوئی دوسرا یہودی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جو برہمن (آرین) کے یہاں پیدا ہوگا، وہی ہندو ہوگا۔ کوئی غیر برہمن (غیر آرین) ہندو نہیں ہوسکتا۔

شودروں کا مذہب کیا ہے؟ جواب یہ کہ آج تک برہمنی نظام ان شودروں کو ادھرمی (لامذہب) کہتا ہے، اسی لیے ان کو مندر میں داخل ہونے یا پجاری بننے کی اجازت نہیں۔ ہاں، مندروں میں یہ چڑھاوا دے سکتے ہیں، کیوں کہ اس میں برہمنوں کا فائدہ ہے۔ جب آریوں نے بھارت میں اپنی حکومت قائم کر کے مول نواسیوں کو شودر قرار دیا اور ان پر ظلم وستم کرنا شروع کیا تو بہت سے مول نواسی جنگلوں کی طرف بھاگ گئے، وہ لوگ آدی واسی کہلائے۔ بہت سے شودروں نے برہمنوں کی غلامی قبول نہیں کی تو تذلیل وتحقیر کے لیے ان کو اچھوت قرار دیا گیا۔ بہت سے شودروں نے غلامی قبول کر لی اور برہمنوں کے لیے کھیتی باڑی کرنے لگے۔ یہ لوگ او بی سی ہیں۔ آدی واسیوں (ST) نے اپنا ایک دھرم بنالیا اور اچھوت (SC) اور او بی سی (OBC) کو برہمنوں نے ادھرمی (لامذہب) قرار دیا۔ اب شودر خود کو 'امبیڈکر وادی'' کہتے ہیں۔

برطانوی حکومت میں ہندوستان کے مملکتی سکریٹری (Secretary of State for India) جان مورلی (John Morley) (۱۸۳۸ء-۱۹۲۳ء) نے 20: جولائی 1906 کو عوامی ہاؤس (House of Commons) میں اپنی بجٹ تقریر میں اشارہ دیا کہ حکومت کچھ اصلاحات (Reforms) کرنا چاہتی ہے اور انڈین لیجسلیٹو کونسل (Indian Legislative Council) میں اہل ہند کے نمائندوں (Representatives) کو شریک کرنا چاہتی ہے۔ چوں کہ برطانیہ کے طرز پر بھارت میں بھی نمائندوں کا انتخاب براہ راست ووٹنگ کے ذریعہ ہوتا تھا، اور مسلمانوں کی تعداد کم اور برہمن قوم چالباز اور سیاست پر قابض تھی، اس لیے سلطان محمد شاہ آغا خاں سوم (۱۸۷۷ء-۱۹۵۷ء) کی قیادت میں 35: مسلم ممتاز لیڈروں کا وفد گورنر جنرل آف انڈیا منٹو دوم (Minto II) (۱۸۴۵ء-۱۹۱۴ء) کو شملہ (ہماچل پردیش) میں 01: اکتوبر 1906 کو میمورنڈم پیش کیا اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب (Separate Electorate) کا مطالبہ کیا، جو منظور ہوا۔ اس کے بعد 30: دسمبر 1906 کو ڈھاکہ (بنگلہ دیش) میں مسلمانوں نے ایک سیاسی پارٹی ''آل انڈیا مسلم لیگ'' قائم کی، تاکہ قوم مسلم کی سیاسی نمائندگی اور پولیٹیکل قیادت کی جائے۔

برہمنوں کو خوف ہوا کہ کہیں دیگر مذاہب کے لوگ بھی اسی طرح جداگانہ انتخاب کی منظوری کرالیں تو ہم سناتن دھرمیوں کا بیڑا غرق ہوجائے گا۔ سناتن دھرمی صرف آرین لوگ تھے، جو قلیل التعداد تھے۔ اب برہمنوں نے محض اپنا ووٹ بڑھانے اور اپنے نمائندوں کو کامیاب کرنے کے واسطے مسلمانوں اور عیسائیوں کو چھوڑ کر سناتن دھرمیوں، جینیوں، بودھوں، سکھوں، آدی واسیوں اور شودروں کو ہندو بنادیا، اور 1909 میں پنجاب ہندو سبھا اور 1915 میں آل انڈیا ہندو مہاسبھا قائم کیا۔ برہمنوں نے 1885 میں کانگریس پارٹی کا قیام کیا تھا، لیکن یہ مشترکہ پلیٹ فارم اور سافٹ ہندتو پر عمل پیرا تھی۔ برہمنی نظام میں تمام شودر ناپاک ہیں۔ ووٹ کے لیے شودروں کو سیاسی ہندو بنادیا گیا۔

شودر مذہبی ہندو نہیں۔ آج بھی برہمنی نظام میں شودروں کو ادھرمی (لامذہب) تسلیم کیا جاتا ہے، اور سیاسی طور پر ان کو ہندو کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے برہمنوں کی اس چال کو سمجھا اور لندن کی پہلی اور دوسری گول میز کانفرنس 1930 & 1931 میں شودروں کے لیے جداگانہ انتخاب کی وکالت کی۔ دوسری گول میز کانفرنس 1931 میں گاندھی جی نے اس کی مخالفت کی لیکن برطانیہ نے 17: اگست 1932 کو جداگانہ انتخاب منظوری دیدی۔ گاندھی جی نے مرن برت رکھ کر امبیڈکر کو مشترکہ انتخاب (Joint Electorate) پر مجبور کردیا اور دلتوں اور آدی واسیوں کے لیے 24: ستمبر 1932 کو ریزرویشن کا معاہدہ کیا۔ اس کو پونہ پیکٹ (Poona Pact) کہا جاتا ہے۔ (باقی صفحہ 9: پر)

دبستانِ ہفت رنگ

(مکتوبات وتاثرات، فکری تحاریر ومختصر مقالات کے لیے مستقل کالم)

علمائے کرام اور سیاسی وسماجی مسائل

از: جناب محمد زبیر قادری، رکن: روشن مستقبل (دہلی) ومدیر اعلیٰ: مسلک (آن لائن)

اہل سنت و جماعت میں ''سیاست'' کو ایک شجرِ ممنوعہ سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ امن کے ایام میں وہ غلامی واسیری کے تکلیف دہ لمحات کو یکسر فراموش کر کے ذاتی امورونجی معاملات میں مشغول ہو چکے ہیں۔ ان کو کوئی پرواہ نہیں رہتی کہ ملک کا حکمراں کون ہے؟ کیسا ہے؟ کس طرح حکومت چلا رہا ہے؟ اس کے مقاصد کیا ہیں؟ انگریزوں سے وطن عزیز بھارت کو آزاد کرانے میں مسلمان پیش پیش رہے، جان و مال کی قربانیاں دیں، قید بامشقت جھیلیں۔ غرض ہر طرح کی تکالیف سے نبرد آزما رہے، لیکن ملک آزاد ہوتے ہی سب کچھ بھلا کر بالکل بے خبر بن گئے۔ انفرادی طور پر سب اپنی ہی دنیا بنانے میں مگن ہو گئے، دیگر مسلمان بھائیوں کی تعلیم وترقی، معاشرے کی فلاح و بہبود کی ذرا بھی فکر نہ کی۔ ورنہ آج ہم جو منظر نامہ دیکھ رہے ہیں، اس قدر بدتر حالات نہ ہوتے۔ آزادیِ ہند کے بعد سے مسلمانانِ اہلِ سنّت کے علما، مشائخ و دانش ور حضرات نے 'سیاست' کو بالکل ہی تیاگ دیا۔ جبکہ غیروں نے ملک کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی سے مل کر اپنے آپ کو اس قدر مضبوط وتوانا کر لیا کہ آج ہر جگہ وہی فرقہ غالب نظر آتا ہے جو کہ ہمارے نزدیک ضال ومضل ہے۔

خیر جب جاگو، تب سویرا- اب ایسے حالات درپیش ہیں کہ ہمارا مذہب، تشخص، مال ومتاع سب خطرے میں ہیں۔ اب تو جاگ کر اپنی اور قوم کی فلاح و بہبود، تعمیر وترقی کا کچھ سامان کیجیے۔ سب سے بھاری ذمے داری عائد ہوتی ہے علمائے کرام وائمہ حضرات پر جو مسلمانوں کے مذہبی قائد ورہنما ہیں۔ جو شریعت اسلامیہ کی روشنی میں قوم وملت کی بقاوفلاح کی خدمت انجام دے سکتے ہیں، اور مسلمانوں کی سیاسی وسماجی بھلائی کے واسطے اپنے ذہن وفکر کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔ علمائے وائمہ مساجد کے واسطے چند معروضات مندرجہ ذیل ہیں۔

علمائے کرام کا وہ طبقہ جو عامة المسلمین سے براہ راست متعلق ہے، یعنی ائمہ کرام ومقررین وخطبا، وہ حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر رکھیں۔ اخبارات کا مطالعہ کریں۔ میڈیا وسوشل میڈیا سے منسلک رہیں۔ قوم کی سیاسی وسماجی ترقی کے لیے مطالعہ اشد ضروری ہے۔ اس کو اپنی زندگی کا لازمہ بنالیں۔ ترغیبی ونفسیاتی کتب کا مطالعہ ضرور کریں، تا کہ خود سیکھ کر دوسروں کی رہنمائی کر سکیں۔ مقررین وخطبا قوم کی فلاح و بہبود پر نظر رکھیں۔ عوام ان کی بات پر جلدی عمل پیرا ہو جاتی ہے۔ قوم وملت کی ترقی میں ہی ہم مسلمانوں کی بقاوفلاح مضمر ہے۔ سیاست کا مطلب یہ نہیں کہ لازمی طور پر آپ کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہو جائیں، بلکہ آپ قوم وملت کے لیے فلاحی وسماجی کام کریں، اور خود کو اتنا مضبوط کر لیں کہ الیکشن کے موقع پر خود سیاسی پارٹیاں آپ کے پاس ووٹوں کی بھیک لینے آئیں، تب آپ اپنی شرائط پر ان کی حمایت کریں۔

کسی بھی کام کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ فنڈ کی فراہمی کے واسطے یہ ترکیب کی جاسکتی ہے کہ اپنے احباب ومعتقدین کے ساتھ مل کر علاقائی تنظیم قائم کر لی جائے، اور حضرات اولیائے کرام کے عرس وفتحہ کے نام پر پیسے اکٹھے کیے جائیں، پھر کچھ پیسے نیاز وفاتحہ میں خرچ کیے جائیں اور باقی ماندہ رقم قومی فلاح و بہبود میں خرچ کی جائے۔ غریب بچوں کی تعلیم، یتیم وغریب بچیوں کی شادی، بے سہارا بیوہ عورتوں کی کفالت، علاج معالجہ وغیرہ جیسے بے شمار کام ہیں۔ چھوٹے پیمانے پر کام کا آغاز کیا جائے، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری

خدمات کو دیکھ کر معاونین خود ہی ہماری جانب مائل ہوں گے ۔بس نیت درست ہو،اور آمد وخرچ کا حساب صاف ستھرا ہو۔

تکنیکی کورسیز سے مرعوب نہ ہوں، سیکھ لیں

تحریر: مولانا خالد ایوب مصباحی شیرانی، چیرمین تحریک علمائے ہند (جے پور)

ہمارا عہد تکنیکی اور پروفیشنل عہد ہے۔ ہر چیز کا ڈیجیٹلائزیشن ہو رہا ہے اور فکری طور پر اسی مزاج کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔اس فکر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن کلیتاً اسے نظر انداز کر پانا اب ممکن نہیں رہا۔ کیوں کہ ہماری یہ صدی ٹیکنالوجی کی صدی بن چکی ہے اور اس صدی کی ٹیکنالوجی ہمارا معمول ہی نہیں، ہماری ضرورت بھی بن چکی ہے، اس لیے اب عقل مندی یہ ہے کہ ہم نئے زمانے کے اس تقاضے پر عملاً لبیک کہیں اور اپنے متعلقہ میدان کی اپڈیٹ ٹیکنالوجی سے خود کو لازماً وابستہ کریں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو اپنی تنزلی کی رفتار ہم اپنے ہاتھوں سے لکھ رہے ہوں گے۔

دور کی بات نہیں، ابھی کل تک جن کاموں کے لیے مزدوروں کی ٹولیاں ہوا کرتی تھیں، آج کمپیوٹر سافٹ ویئر کی ایک کلک ہارڈ ویئر مشینوں کو کمانڈ دے کر وہ کام بحسن وخوبی انجام دے رہی ہے، بلکہ اب تو صرف مشینری کا کام بھی پیچھے رہتا جا رہا ہے، سافٹ ویئر اور ہارڈ ویئر کا سنگم کام بازی لے جا رہا ہے۔ کشیدہ کاری، بیکری سازی اور رنگ ریزی جیسے سیکڑوں کام ہیں جو دہائیوں پہلے انسانوں کے محتاج تھے، پھر مشینوں سے وابستہ ہوئے تو انسان کی محتاجی کم ہوئی اور اب مشین تو ہے لیکن انسان کی جگہ سافٹ ویئر نے لے لی ہے اور اس طرح کے چند کاموں کا ہنر جاننے والا مزدور اب اپنی بے ہنری اور جہالت پر ماتم کر رہا ہے، کیوں کہ وہ اس سسٹم کی وجہ سے بے روزگار ہو چکا ہے۔

سائنس جس رفتار سے کسبی کاموں میں انسانی سروں کی محتاجی کم کرتی جا رہی ہے، پڑھے لکھے اور پروفیشنل انسانوں کے سر اسی تیز گامی کے ساتھ روایتی سروں پر پروفیشنل گردنوں کو حاوی کرتے اور اثر انداز بناتے جا رہے ہیں۔ سائنس، ٹیکنالوجی، ڈیجیٹلائزیشن اور پروفیشنل ازم کی ان گھما گھمیوں میں سب سے زیادہ نقصان ان روایت پسندوں کا ہوگا، بلکہ ہو رہا ہے جو اپنے رویوں کو لوہے کی لکیر، اپنی پست فکری کو دین داری، اپنی قدامت کو برکت اور اپنی تن آسانی کو قناعت سمجھتے ہیں اور زمانے کی تیز رفتاری بھلے انھیں گرد آلود کرتی رہے، وہ ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں ہوتے۔

گزشتہ دنوں ہم نے *میجک آف میموری* کے نام سے سات دنوں پر مشتمل ایک ایسا کورس کیا جس کے ذمہ داروں کا دعویٰ تھا کہ کتابیں صفحہ نمبر کے ساتھ کیسے یاد کی جا سکتی ہیں؟ ہم سکھائیں گے اور وہ گجراتی ٹیم ڈیمو کے ذریعے ننھے ننھے بچوں پر اپنی تکنیک آزما کر دکھاتی بھی تھی۔ اگر تجزیاتی طور پر دیکھا جائے تو یہ کورس باضابطہ کوئی نظام تعلیم نہیں تھا، بلکہ آسانی سے چیزیں کیسے سمجھ میں آئیں اور دیر تک کیسے یاد رہیں، اس کے درجن بھر ٹپس، کچھ دماغی ورزش اور کچھ نفسیاتی امراض کے موٹیویشنل علاج پر مشتمل ایک دماغی گیم تھا۔

دو دن پہلے فیس بک پر ایک پروگرام کا اشتہار دیکھا جس میں پرانی یادوں کے غموں کو فراموش کروانے کا دعویٰ کیا گیا تھا۔

کچھ ہفتوں قبل ہم نے اپنے ایک عزیز کو چھ اتواروں پر مشتمل ایک ایسے کورس سے وابستہ کروایا جس میں ایکسپورٹ، امپورٹ کے تمام متعلقہ مسائل کا شافی حل تھا۔

ریاضی، تاریخ، فزکس اور قانون کی کتابیں اور اعداد وشمار پر مشتمل معلومات کو کس طرح سے یاد رکھا جائے؟ اس کے لیے پہلے سے الگ الگ طرح کی کمپنیز نے کئی شارٹ ٹرم معقول/غیر معقول مہارتی پروگرام بنا رکھے ہیں اور جہاں یہ کمپنیاں اپنے میدانوں میں کام یاب ہیں، وہیں ایک حد تک ان سے وابستہ ہو کر وہ معلومات حاصل کرنے اور پھر اس معلومات کو عملی جامہ پہنانے والے بھی کام یاب ہیں۔

جبکہ سکے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ایک طبقے کے دل میں آج بھی تین ماہ کے تماشے ''انگلش اسپیکنگ کورس'' اور ایک ماہ کے ڈرامے * کمپیوٹر کورس * سے ایسی غیر معقول دوری بنی ہوئی ہے کہ نہ تو وہ اپنی مفروضہ عزت کی وجہ سے ان کورسیز سے استفادہ کر پارہا ہے اور نہ ان پروفیشنل کورسیز کے رعب کی وجہ سے خود کو احساس کم تری سے نکال پارہا ہے، اور اسی گومگو کی کیفیت میں کئی بار وہ زندگی کے وہ بڑے فیصلے بھی نہیں کر پاتا، جو اس کی زندگی کے لیے ٹرن پوائنٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حالاں کہ اگر ٹھنڈے دل سے سوچا جائے تو یہ تمام کورسیز معمولی قیمت اور تھوڑے وقت پر مشتمل زندگی کا اہم تجربہ ہوا کرتے ہیں، اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنے آپ کو تھوڑا ایڈوانس، تھوڑا تکنیکی، تھوڑا اپڈیٹ اور تھوڑا جدت پسند بنائیں اور اس طرح کی چھوٹی چھوٹی معذرتوں کی وجہ سے خود کو زمانے سے پیچھے نہ ہونے دیں، بلکہ ہمت کر کے کر گزریں، ایک تجربہ کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ الگ دنیا کی معلومات بھی حاصل ہوں گی اور دنیا کو قریب سے سمجھنے کا موقع بھی ملے گا۔

تمھیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو

ازـ: جناب غلام مصطفٰے رضوی: نوری مشن (مالیگاؤں)

اسلام نے مسلمانوں کو شریعت کی راہ چلنے کی تلقین کی۔ بلا شبہ کامیابی، سربلندی، فتح، بھلائی، شوکت، نجات، دُنیا کی فتوحات، آخرت کی کامرانیاں شریعتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت قدمی میں مستور ہیں۔ یقینِ کامل اور ایمانِ راسخ ضروری ہے تاکہ انعاماتِ خسروانہ کا حصول ہو سکے۔ ایسے عظیم دین کی رسی مضبوطی سے تھامنے نے ہمارے اسلاف کو کامیابی کی عظیم منزل پر فائز رکھا۔ ان کی تگ و دو سے مشرقین ومغربین میں اسلامی شوکت کے علم لہراتے تھے۔ ہماری فتوحات کے جھنڈے کئی براعظموں کی بلند چوٹیوں پر نصب تھے؛ لیکن جب سے ہم نے فرسودہ تہذیبوں، باطل مذہبوں، مغربی تمدنوں کی اسیری اختیار کی تباہی وبربادی کے دہانے پر جا پہنچے۔ ہم نے قرآن مقدس جیسی عظیم کتاب کی ہدایات پر عمل نہیں کیا۔ قرآن پاک کو دستور العمل بنا لیتے تو آج کا عہدِ غلامی دیکھنے کو نہیں ملتا۔

آج ہم قتل کیے جا رہے ہیں۔ تباہ کیے جا رہے ہیں۔ جیلوں میں ٹھوسے جا رہے ہیں۔ برباد کیے جا رہے ہیں۔ نسل کشی کے شکار بنائے جا رہے ہیں۔ مقدمات میں پھنسائے جا رہے ہیں۔ ہماری شریعت پر عمل سے ہمیں ہی روکا جا رہا ہے۔ خدائی قانون کے مقابل فرسودہ قانون بنائے جا رہے ہیں۔ جن کی جبینیں پتھروں کے آگے جھکی ہوئی ہیں، وہ ہمیں معبودِ حقیقی کے قوانین سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ جنھیں شعورِ توحید نہیں، وہ ہمیں قانونِ خام کا درس دے رہے ہیں۔ قوانین الٰہی کی بالادستی ہے، جس پر عمل سے ہمیں ہی روکنے کی سازشیں تیار کر لی گئی ہیں۔ ان حالات میں ہمیں چاہیے کہ مایوسی سے قوم کو باہر نکالیں۔ عزم و یقیں کے چراغ فصیلِ ایمان پر روشن کریں۔

مژدۂ جاں فزا سنایا جا رہا ہے۔ ایمان کے دل سے سُنیں۔ قرآن نے کیسی بشارت سُنائی۔ کیسی عظیم قوت وشوکت دے دی، لیکن اس کے ساتھ ہی شرط رکھ دی کہ ایمان پر استقامت اختیار کی جائے، بندۂ مومن بنا جائے:

(وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین) (القرآن الکریم؛ آل عمران: ۱۳۹)

تمھیں غالب آؤ گے، اگر ایمان رکھتے ہو۔ (کنز الایمان)

درسِ عمل:

(۱) اپنے ایمان کو پختہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر ایسا یقین حاصل ہو جائے کہ کفر کی تمام تر سازشیں ہم پر خوف و ہراس طاری نہ کر سکیں۔ (۲) مایوسی کو ہرگز جگہ نہ دیں اور فرامین الٰہی وارشاداتِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین کامل پیدا کریں۔

(۳) ہرصورت میں شریعت کے فیصلوں کو حرفِ آخر سمجھیں۔ ایسی سوچ پیدا ہوگئی تو لادینی کورٹوں کے جنجال سے بھی ہم نجات پالیں گے، پھر کوئی بھی خلافِ شریعت قانون لایعنی اور فضول ہوکررہ جائے گا۔ ہزار قوانین بنا کریں ہم قرآنی قوانین کی اتباع کریں گے تو کسی بھی قانون کے بننے سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

(۴) اپنے شرعی معاملات میں دین کے فیصلوں کو تسلیم کریں۔ (۵) علماے کرام کی اطاعت و پیروی کریں۔

(۶) قرآنی احکام کے مطابق معاملات کا تصفیہ کروائیں۔ (۷) ہر فیلڈ میں دین کے حکم کو مانیں، تسلیم کریں۔

بیدار ہوجائیں!

ہمیں چاہیے کہ بیدار ہوجائیں۔ سازشوں سے باخبر ہوکر آنکھیں کھولیں۔ اپنے دین کی طرف رجوع کریں۔ تمام مردہ تمدن و مغربی تہذیب سے منھ موڑیں، تاکہ دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ملے۔ غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے والے باطل ہاتھ کمزور ہوجائیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی حکم کی روشنی میں جو دُعا فرمائی، اسے پڑھیں اور دل و دماغ میں بسالیں:

(اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ) (القرآن الکریم؛الرعد:۱۱)

”بے شک اللہ کسی قوم کو گردش میں نہیں ڈالتا جب تک وہ اپنی حالت خود نہ بدل ڈالیں“

اللہ اکرم الاکرمین اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل سے ہماری اور ہمارے اسلامی بھائیوں کی آنکھیں کھولے۔ اصلاح قلوب واحوال فرمائے۔ خطاؤں سے درگزر کرے۔ غیب سے اپنی مدد اُتارے۔ اسلام و مسلمین کو غلبہ قاہرہ دے“۔

(تدبیر فلاح ونجات واصلاح، ص۹)

اساتذہ وطلبہ کے حقوق وفرائض

از: مفتی محمد مظفر علی المدنی (فیصل آباد: پنجاب)

(۱) استاذۂ کرام کا اپنے شاگردوں پر شفقت فرمانا اور انہیں اپنے بیٹوں جیسا سمجھنا کہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے والد اپنی اولاد کے لیے“۔

(۲) تعلیم دین کا منصب آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور تعلم دین کا منصب صحابہ کرام علیہم الرضوان کا، لہٰذا اساتذہ وطلبہ کا اس نکتہ کو ملحوظ خاطر رکھنا۔

(۳) استاد طالب علم کو نصیحت کرنا نہ چھوڑے اور طالب علم کو تنبیہ کرے کہ علوم دینیہ کے حصول کا مقصد محض قرب الٰہی ہو، نہ کہ حکومت و دولت کا حصول، یا دیگر دنیاوی امور کی تحصیل۔

(۴) درسیات میں طلبہ کو مکمل طور پر مطمئن کرنا، طلبہ کے اشکالات کو ان کی ذہنی سطح کے مطابق حل کرنا اور احسن انداز میں جواب دینا۔

(۵) اساتذہ اور طلبہ کے مابین ایسا ربط ہونا کہ طلبہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے اور اساتذہ کے پڑھانے میں حجاب نہ ہو، نہ اس کا ہر درجہ کے اعتبار سے محاظ ضروری ہوتا ہے۔

(۶) طلبہ کی احساس کم تری دور کرنا اور خود اعتمادی پیدا کرنا۔ اگر طالب علم بظاہر کمزور ذہن کا ہے تو اس کو یہ نہ کہنا کہ تو پڑھ نہیں سکتا، کوئی اور کام کرلے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے دیگر پڑھنے والے طلبہ پر بھی اثر پڑتا ہے۔

(۷) استاد ایسی ہی بات بتائے جس کو طلبہ سمجھ سکیں اور ایسے الفاظ میں بتائے کہ سب کے سب سمجھ سکیں، ورنہ بعض ڈر کے مارے،

بعض شرم کے مارے نہیں پوچھتے کہ کہیں استاد ڈانٹ نہ دیں۔

(۸) مرور زمان کی وجہ سے پہلے کے اساتذہ وطلبہ اور آج کے اساتذہ وطلبہ میں بہت اعتبار سے فرق ہے، مثلاً مختلف طرح کے عوارض کے لاحق ہونے کے سبب علمی وعملی فرق، لہٰذا عہد ماقبل سے تقابل نہ کرتے ہوئے احسن انداز کو اختیار کرنا۔

(۹) ہر طرح کی سزا خاص طور پر جسمانی سزا کا نہ ہونا، موجودہ دور میں اس کے نقصانات آنکھوں کے سامنے ہیں۔

(۱۰) طلبہ کے ذہنی انتشار کی شیرازہ بندی، تعلیمی راہ کی استواری کے لیے بے حد اہم ہے، اس کا خاص اہتمام کرنا۔

(۱۱) طلبہ کو بھر پور مطالعہ کا ذہن دینا خاص طور پر عقائد کی درستی کے حوالے سے توجہ کرنا کہ فی زمانہ فتنے موجود ہیں خاص طور پر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے تشریحات کو ملحوظ رکھنا۔ (۱۲) طلبہ کو اخلاقی اقدار سے آگاہ وآشنا کرنا۔

ای وی ایم جمہوریت کے لیے بے حد مضر

از: مولانا کمال احمد علیمی نظامی، استاذ: دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی (بستی، یوپی)

ای وی ایم (الیکٹرانک ووٹنگ مشین) کا استعمال بھارتی انتخابات میں پہلی بار 2000 میں کیا گیا۔ اس سے پہلے بیلٹ پیپر کے ذریعہ انتخابات ہوتے تھے۔ یہ مشین شروع ہی سے شک کے دائرے میں رہی۔ اس کے ذریعہ انتخابی عمل بے حد آسان ضرور ہوا، مگر بھارت کا جمہوری نظام اور سیکولر طبقہ اسے ابھی تک ہضم نہیں کر پا رہا ہے۔ 19: سال کے تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ تکنیک بھارت کی جمہوریت کے لیے مفید کم مضر زیادہ ہے۔ اس سے لوگوں کے اعتماد و یقین پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ جمہوریت کی روح یہ ہے کہ عوام کے ذریعہ عوام کے لیے عوام کا انتخاب ہو، مگر یہاں تو ای وی ایم کے آنے کے بعد خواص کے ذریعہ خواص کے لیے خواص کا انتخاب ہو رہا ہے۔

متعدد دلائل وشواہد نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بہت سارے لوگوں کا انتخاب عوام کے بجائے مشین کرتی ہے۔ ہار جیت کا فیصلہ عوامی رائے کے بجائے مشینی رائے سے ہوتا ہے۔ ای وی ایم مشین ایک سنگل چپ یونٹ ہے جو پہلے سے پروگرامڈ کیا ہوا ہوتا ہے، جس میں احکامات کا تسلسل ہوتا ہے۔ جسے صرف مخصوص مشین ہی جو وائر کنکشن سے مربوط ہو، پڑھ اور سمجھ سکتی ہے۔ مشین احکامات کو کبھی ٹھکرا سکتی ہے، جس کی وجہ سے غلطی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ بلوٹوتھ، وائی فائی یا دیگر ذرائع سے اس کے اندرونی نظام کو ہیک کیا جا سکتا ہے، اور مرضی کے مطابق تصرف بھی ممکن ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ انسانی تخلیق ہے، کوئی خدائی مشین نہیں جس میں انسان تصرف نہ کر سکے۔ اسی وجہ سے کانگریس، تیلگو دیشم، ڈی ایم کے، سپا، بسپا اور عام آدمی پارٹی سمیت متعدد سیاسی پارٹیوں نے بار ہا اس کے خلاف آواز اٹھائی، اور اس میں تصرف کا دعویٰ بھی کیا گیا۔

عام آدمی کے ایک ممبر اسمبلی سوربھ بھاردواج جو ایک سافٹ ویئر انجینئر بھی ہیں، انہوں نے دہلی اسمبلی میں ڈیمو کے ذریعہ یہ دکھا بھی دیا کہ کس طرح سے ای وی ایم میں چھیڑ چھاڑ کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے دکھایا کہ ای وی ایم میں عام آدمی پارٹی کو دس ووٹ دیے گئے اور اس کے کھاتے میں صرف دو ووٹ گئے، جب کہ بی جے پی کو صرف تین ووٹ دیے گئے اور اس کے کھاتے میں گیارہ ووٹ پڑے۔

متعدد انتخابات میں باوثوق ذرائع سے یہ خبریں موصول ہوئیں کہ ووٹ کسی اور پارٹی کو دیا جا رہا ہے اور جیت کسی اور پارٹی کی ہو رہی ہے۔ اگر چہ وی وی پیٹ مشین لگانے سے کچھ حد تک اس کا تدارک ہوا ہے، لیکن جب تک ہر جگہ وی وی پیٹ کی پرچیوں کو ای وی ایم کے اعداد و شمار سے نہ ملایا جائے، تب تک اس میں گڑبڑی کے امکانات باقی رہیں گے۔

قومی آواز بیورو 8: دسمبر 2017 کے مطابق ایک امریکی کمپنی کے دو سائنس دانوں بار براسائمنس اور مارک ہیلورسن کا کہنا ہے کہ ای وی ایم ایک کمپیوٹر ہے، جس میں ایک گھڑی ہوتی ہے، اس کے ساتھ چھیڑ خانی ہو سکتی ہے۔ اس میں ایک سافٹ ویئر پروگرام ہوتا ہے جس کو

ہیک کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ گھڑی کو سیٹ کر کے مشین کو اس قابل بنایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک متعینہ مدت تک صحیح کام کرے، پھر کسی کی مرضی کے مطابق کام کرے۔ اکثر ان پڑھ جو سمجھ ہی نہیں پاتے کہ کنٹرول یونٹ سے ووٹ ڈالنا ہے یا پھر بیلٹ یونٹ سے، ایسے میں وہ کنٹرول یونٹ کی بیپ سن کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ان کا ووٹ پڑ گیا اور بغیر ووٹ دیے پولنگ بوتھ سے واپس آ جاتے ہیں۔

مشین سے ووٹنگ سمجھانے کے بہانے بہت سارے جانبدار لوگ اندر گھس جاتے ہیں جس سے ووٹنگ کی شفافیت پر فرق پڑتا ہے۔ بہت سارے لوگ ان پڑھ ووٹروں کے ساتھ اندر جا کر ان کے بدلے اپنے کنڈیڈیٹ کو ووٹ کرتے ہیں۔ پولنگ اہل کار جو کسی پارٹی کے حمایتی ہوتے ہیں، وہ موقع دیکھ کر ایک ساتھ کئی کئی ووٹ ڈال لیتے ہیں، یہ ایک مشاہداتی چیز ہے۔ ان سارے حقائق کی روشنی میں یہ کہنا حق بجانب ہے کہ ای وی ایم پر آنکھ بند کر کے اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد مجروح ہو رہا ہے، اور یہ تکنیک بھارتی عوام کے جمہوری نظام پر برا اثر ڈال رہی ہے۔ کم از کم اتنا نقصان تو ہو ہی رہا ہے کہ آج کوئی امیدوار اگر صحیح معنوں میں جیت درج کرتا ہے تو لوگوں کے ذہن میں یہ بات آ ہی جاتی ہے کہ ممکن ہے کہ اسے ای وی ایم نے جتایا ہو۔ یہ سوچ جمہوری فکر اور سیکولر نظام کے لیے بے حد خطرناک اور مضر ہے۔ اس کا تدارک اسی وقت ممکن ہے جب دیگر ترقی یافتہ ممالک کی طرح یہاں بھی بیلٹ پیپر یا کسی قابل اعتماد ذریعہ سے پولنگ کا نظام قائم ہو۔

حضرت مفتی شبیر حسن رضوی کا طرز تدریس

علامہ محمد قمر الحسن قادری قمر بستوی (امریکہ)

علم کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اسی وجہ سے اہل علم کو غیر پر فضیلت دی گئی ہے اور اب تو جدید دنیا نے اس کو اتنا واضح کر دیا ہے کہ دن میں چمکتے ہوئے سورج کی طرح یہ بات ثابت ہے، پھر علم دنیا و علم دین دونوں کے درمیان تفادت اور دونوں کے منافع الگ الگ ہیں۔ اگر چہ عصر حاضر میں علم دنیا کو معاشی خوشحالی کا ضامن سمجھا جا رہا ہے، مگر حق بات یہ ہے کہ علم دین جو ذات وصفات الٰہی اور کوائف انبیا ومقاصد جزا سے بحث کرتا ہے، وہی اصل ہے کہ تخلیق انسانی کا راز اسی میں مضمر ہے اور عاقبت کا رنجات اسی پر موقوف۔

درس و تدریس انتہائی شریف باب مشاغل ہیں کہ زندگی علم کے محور پر گردش کرتی ہے اور ذوق مطالعہ سے دماغ میں نشاط، فکر میں جلا اور علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک صاحب علم کو اس کے ذوق مطالعہ سے زیادہ کوئی چیز مرغوب نہیں ہوتی۔ تحقیق و تلاش کے راستے اسی میدان سے ملتے ہیں اور فضیلت کا تاج اسی قصر شاہی سے عطا ہوتا ہے۔ عربی شاعر ابو القاسم احمد بن عمر بن عبد اللہ نے اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے۔

فانی رأیت الجهل یزری باهله　　وذو العلم فی الاقوام یرفعه العلم

یعد کبیر القوم وهو صغیرهم　　ویبتفذ منه فیه القول والحکم

ترجمہ: میں نے دیکھا ہے کہ جہل کے سبب جاہل عیب دار سمجھا جاتا ہے جب کہ عالم کو اس کا علم بلندیاں عطا کرتا ہے۔ عالم اپنی قوم میں چھوٹا ہو کر بھی بڑا رہتا ہے اور اس کی بات نیز حکم کو لوگ تسلیم کرتے ہیں۔

علما، رب کریم کی جانب سے اس کے عطا کردہ علم کے ضامن ہوتے ہیں اور مدرس اس علم کا محافظ۔ چودہ سو سال سے علم دین کا مربوط سلسلہ اور پوری دنیا کو اسلامی تعلیمات سے آشنا کرانے کا سہرا صرف اور صرف مدرسین کے سر ہے۔ کنج خمولی میں بیٹھ کر نان جویں پر قناعت کرنے والے یہ قدسی صفات ملکوتیت کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں: ع/ **خیر الجلیس کتاب**: سب سے اچھا ہم نشیں کتاب ہے

مگر پھر تدریسی امور میں بھی طبقات ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جو مطالعہ کو اپنی تدریس کا لازمی عنصر قرار دیتے ہیں اور کتاب کے مباحث میں ڈوب کر اس سے زرنگار موتیوں کو چنتے ہیں، پھر طلبہ کو اس سے فیضیاب کرتے ہیں۔ کچھ وہ ہوتے ہیں کہ کتاب کے اندر نفسی مسئلہ کو سمجھ لیا

اور مالہ و ماعلیہ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ یہ بھی غنیمت ہیں اور کچھ وہ ہیں کہ کسی کتاب کو دو ایک بار پڑھا دیا تو اب اس کے مطالعہ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ کتاب کے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جو بغیر مطالعہ کے ہی مصنف کی منشا کی پرواہ کیے بغیر جو منہ میں آیا، بک دیے۔ نہ دین سے شرم، نہ خوف خدا اور نہ ہی قیامت کے دن حساب کا غم۔ یہ لوگ مدرس کے لباس میں سالوس ہیں۔

علم چنداں کہ بیشتر خوانی چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانش مند چار پائے برو کتابے چند

استاذ کی راست فکر سے طالب علم کے اندر راست فکری پیدا ہوتی ہے، اور استاذ کی پختہ کاری سے متعلم کے اندر وثوق پیدا ہوتا ہے۔ اگر استاذ ناپختہ کار ہے تو اس سے پختہ کار طالب علم نہیں بن سکتا۔ نیاز فتح پوری سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے اندر دہریت کے عناصر کیسے پیدا ہو گئے؟ کہا: میرے استاذ کی ناپختہ کاری کی وجہ سے کہ وہ فلسفہ پڑھاتا تھا، مگر خود نہیں سمجھتا تھا، جس کی وجہ سے کج روی پیدا ہوئی، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ استاذ کی پختہ کاری طالب علم کی صلاحیت و قابلیت کی ضامن ہوتی ہے۔

اس تناظر میں حضرت مخدوم گرامی مولانا و علامہ مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمہ کا جب جائزہ لیا جائے تو انشراح صدر کی روشنی پھوٹتی ہے، اور قلب ونظر منور ہو جاتے ہیں۔ ان کے عظیم، پختہ کار، قابل، صاحب نظر اور ثقہ اساتذہ پر نظر پڑ ڈالیے تو پتہ چل جائے گا۔

(۱) جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ (۲) امام المتکلمین حضور علامہ قاضی شمس الدین رضوی علیہ الرحمہ

(۳) جامع معقولات و منقولات حضور علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ (۴) بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ (۵) سند العلما حضرت علامہ مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ (۶) استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا اعجاز احمد خاں صاحب اعظمی علیہ الرحمہ (۷) ماہر درسیات حضرت علامہ حافظ عبد الشکور گیاوی مدظلہ العالی۔

یہ آسمان تدریس کے وہ ماہ و نجوم ہیں جن کی ضوباری سے پورا ہند ہی نہیں، بلکہ دنیا روشنی پا رہی ہے۔ ان کیمیا گروں کی نگہ بصیرت نے حضرت مفتی شبیر حسن صاحب علیہ الرحمہ کو زر کندن بنا دیا تھا، اسی لیے وہ اپنے اقران میں ممتاز نظر آئے، مگر ان کی زندگی پر جس قدسی صفت ذات نے زیادہ اثر ڈالا، وہ حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ نائب شیخ الحدیث مصباح العلوم مبارک پور کی ذات گرامی ہے۔ حضرت حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ کا طرز تدریس علما کے درمیان ممتاز تھا۔ یہی وجہ تھی کہ طلبہ کشاں کشاں ان کے قدموں میں پہنچ جاتے تھے۔

خصوصیات درس:

(۱) حضرت مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمہ کے درس کی اولین خصوصیت یہ تھی کہ وہ مشکل سے مشکل کتاب اور دشوار ترین مباحث کو انتہائی سہل کر دیتے تھے، حتی کہ معقولات کی مغلق و پیچیدہ کتابوں کو بھی وہ متعلم کے دماغ میں بہ آسانی اتار دیتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں وہ اس کو بھول جائے۔ دراصل یہ خصوصیت حضرت حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ کی تھی، جو انھیں کی بارگاہ سے عطا ہوئی تھی۔

(۲) مسائل کے حل کے لیے جزئیات کا کثرت سے استعمال فرماتے اور قواعد کلیہ اس طرح نوک زبان ہوتے کہ دوران درس وہ کتاب کا حصہ محسوس ہونے لگتے۔ جس بھی فن کی کتاب ہو، اس کو جزئیات کی روشنی میں پڑھاتے۔ ان کو جزئیات کا اس قدر استحضار تھا کہ بات بات میں جزئیہ کا استعمال فرماتے۔ یہ صفت بھی ان کے استاذ گرامی علامہ حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ کی تھی۔

(۳) کسی بھی فن کی کوئی کتاب ہوتی، اس کو پڑھاتے وقت امام اہل سنت کا کوئی علمی واقعہ ضرور سناتے، جن سے متعلم کے ذہن میں عشق رضا پیدا ہوتا اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ سخت بحث کو آسان کرنے کے لیے وہ واقعہ سنایا جاتا، تا کہ طالب علم اس حوالے سے اس کو سمجھ سکے، اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ فراغت کے وقت آپ کی درسگاہ کا حاضر باش امام اہل سنت کا ایسا عقیدت مند اور نیاز کیش ہو جاتا کہ پھر کوئی اس کو متزلزل نہ کر سکتا۔

(۴) مشکل مباحث کو امثلہ کے ذریعہ حل کراتے۔ایک بار درس میں بات نکلی کہ جز کل سے بڑا نہیں ہوتا۔آپ نے تفنن طبع کا مظاہرہ فرمایا کہ یہ بات اس مثال سے غلط ہو جا رہی ہے۔دیکھو بندر کی دم اس سے بڑی ہوتی ہے۔طلبہ خاموش،پھر ارشاد فرمایا: میاں! بندر کی دم بھی بندر ہی کا حصہ ہے۔اس کے تمام اعضا کے مجموعے کو بندر کہتے ہیں تو بندر کی دم بھی تو اس کے بدن میں مشمول ہے،پھر کیسے وہ بہ اعتبار جز بڑی ہوئی،مسئلہ منقح ہوگیا۔

معقولات کی کتابیں پڑھاتے وقت،خاص طور سے شرح ہدایۃ الحکمت اور صدرا کے مغلق مباحث میں جہاں کہیں بھی فلسفہ قدیمہ کا کوئی موضوع عقائد اسلامی سے متصادم ہوتا،اس کا رد بھی ساتھ ہی ساتھ بتاتے۔جزء الذی لا یتجزی کے ابطال پر اقلیدس کی متعدد دلیلیں صاحب صدرا نے نقل کی ہیں۔شکل عروسی،شکل حماری،برہان سلمی،برہان مسامتت وغیرہ کے درس کے وقت ابطال جز کے رد پر قرآن مقدس سے استدلال پیش کرکے امام اہل سنت کے ردود کو عقلی طور پر پیش فرماتے کہ فلاسفہ نے ابطال جز پر جتنی دلیلیں دی ہیں،اس سے اتصال جز کا ابطال ہوتا ہے،نہ کہ جز کا۔اس طرح صدور واحد کی بحث اور خرق والتیام کی بحث پر اسلامی فکر اور معقولات کا ذکر فرما کر یہ واضح کر دیتے کہ یہ مسئلہ شرعی اعتبار سے لائق اعتنا نہیں۔اس کی مزید وضاحت کے لیے راقم کی کتاب ''افکار رضا'' کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ہیولیٰ وغیرہ کی قدامت کا ذکر بھی اسی میں ہے۔

(۶) منقولات میں شوافع حضرات کی بحث جب آتی تو احادیث مبارکہ میں احناف کا ذکر بڑے طمطراق سے کرتے۔بخاری شریف میں قال بعض الناس پر گرم ہو جاتے اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب اس شان سے بیان فرماتے کہ اس جملے کا اثر زائل ہو جاتا۔

(۷) طالب علم اگر کسی مسئلہ میں اشکال محسوس کرتا،یا اس کو سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو بار بار سمجھاتے،کبھی مایوس نہیں کرتے۔ایسا نہیں تھا کہ ایک دو بار پوچھنے پر گراں باری محسوس کرتے نہیں،بلکہ مختلف زاویئے سے اس کو سمجھاتے اور ذہن میں اتار دیتے۔یہ صفت بھی ان کے مخدوم حضرت حافظ جی علیہ الرحمہ کی تھی۔

(۸) پڑھنے والے طلبہ کے ساتھ زیادہ شفقت فرماتے۔باذوق طلب رات میں ان کے کمرے میں بیٹھ کر مطالعہ کرتے اور دوران مطالعہ جہاں کوئی مشکل ہوتی،اس کو اسی وقت حل کر دیتے،پھر دوسرے دن دوران درس عبارت خوانی کے بعد نفس مسئلہ پر بحث کرتے تو بات بہ آسانی دماغ میں اتر جاتی۔مطالعہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔کوئی کتاب کتنی بار بھی پڑھائی ہوئی ہو،مگر اس کا مطالعہ فوراً فرماتے اور ان کی تدریس کا یہ عالم تھا کہ طالبعلم جب پڑھنا چاہے،اذن عام تھا۔چناں چہ صبح کو اوقات درس سے پہلے فجر کے بعد محنتی طلبہ کتابیں لے کر پہنچ جاتے اور مدرسہ کے تعلیمی وقت کے شروع ہونے سے قبل سے شرح جامی،میبذی جیسی کتابیں خارجی وقت میں پڑھا چکے ہوتے۔ایک تو ان کا طرز تدریس اور اسلوب بیان بے حد جاذب،سہل اور دل نشیں ہوتا تو دوسری طرف طلبہ پر اتنی شفقت فرماتے کہ وہ آپ کی بارگاہ کا انتہائی نیاز مند،مؤدب اور حاضر باش بن کر رہ جاتا۔ان کی 43: سالہ جامعہ اسلامیہ رونا ہی کی دینی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو جتنے باصلاحیت طلبہ فارغ ہوئے ہیں،وہ سب آپ ہی کی بارگاہ کے تربیت یافتہ و حاضر باش رہے ہیں۔وہ پڑھنے والے طلبہ کو بہت نوازتے تھے اور خدمات کے اوقات میں بھی سوال وجواب کا سلسلہ جاری رہتا تھا جس سے طالب علم کا وقت ضائع نہیں جاتا تھا۔اپنے عہد کے بے مثال مدرس تھے۔

چند سال قبل محدث کبیر مخدوم گرامی حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی امریکہ دورے پر تشریف لائے،غریب خانے پر ان کو زحمت دیا،تشریف لائے،چلتے وقت ارشاد فرمایا: مفتی شبیر حسن کو بھی امریکہ بلاؤ،اس وقت ان کے جیسا مدرس ہماری جماعت میں نہیں ہے۔ محدث کبیر جس کے علم کا اعتراف کرلیں،وہ شک وشبہ سے بالاتر ہو جاتا ہے،کیوں کہ محدث کبیر خود بھی فن تدریس میں اپنی مثال آپ ہیں۔

جملہ فنون کی معیاری کتابیں انہیں کے زیر درس ہوتی تھیں۔قاضی مبارک،چغمینی،شمس بازغہ،صدرا،میر زاہد،ملا جلال،حمد اللہ،ملا حسن،قطبی مع المیر،مسلم الثبوت،خیالی،مطول،بخاری شریف،مسلم شریف،شرح جامی،ہدایہ وغیرہ،مگر بایں ہمہ کبھی کبھی ذائقہ بدلنے کے لیے چھوٹی کتابیں بھی پڑھاتے۔ایک بار ان کے پاس گلستاں چلی گئی۔ایک طالب علم تھا۔اس نے گلستاں کا یہ شعر پڑھا۔

شکر خدائے کن کہ موفق شدی بخیر　　　ز انعام وفضل او نہ معطل گزاشتت

اس نے موفق کو بہ فتحہ فا پڑھا،جب کہ اکثر لوگ بہ کسرہ فا موفق پڑھتے تھے۔حضرت نے پوچھا یہ تم نے خود سے حل کیا ہے کہ کسی سے

پوچھا ہے؟ بتایا کہ قمر الحسن سے پوچھا ہے۔ ارشاد فرمایا: اسی لیے تم نے درست پڑھا، ورنہ اکثر لوگ اس کو غلط پڑھتے ہیں۔ آپ کو قدرت کی طرف سے انمول عطیہ ''قوت حفظ'' کا ملا تھا۔ باتیں یاد رہتیں۔ مسائل کا استحضار راس طرح تھا کہ پوچھنے پر فرمادیتے کہ فلاں کتاب میں اس باب میں دیکھو، وہاں مل جائے گا۔ میرے علم میں ان علوم میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے: علم القرآن، علم الحدیث، علم تفسیر، علم اصول حدیث، علم اصول تفسیر، علم فقہ، علم اصول فقہ، علم النحو، علم الصرف، علم البلاغت، علم المیراث، علم ربانی، علم الفلسفہ، علم المنطق، علم ہیئت وتوقیت، علم الادب۔

میں نے ان علوم میں ان کر درس دیتے دیکھا ہے۔ بقیہ اور کون کون سے علوم سے وہ واقف تھے، مجھے اس کا علم نہیں، مگر ان سب کے باوجود ان کا میدان طبع فتاویٰ رضویہ کی طرف زیادہ تھا۔ اس کا اتنا وسیع مطالعہ تھا کہ کبھی اگر کوئی مسئلہ یہاں (امریکہ) سے پوچھا تو فوراً فرمادیا کہ فتاویٰ رضویہ کی فلاں جلد میں یہ بحث دیکھ لو۔ وہ اپنے وقت کے عظیم مدرس اور معلم تھے۔ طلبہ کے ساتھ انتہائی شفیق، اقران کے ساتھ ملنسار، اور اہل علم کے ساتھ ملاطفت فرمانے والے۔ وہ کیا گئے کہ علم کا ایک باب بند ہوگیا: رحمه الله تعالى رحمة كاملة

یوں تو آتے ہیں سبھی لوگ ہی مرنے کے لیے موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

تاثرات قلبی: دربارۂ مخدوم مکرم حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی (علیہ الرحمۃ والرضوان)

از: علامہ قمر الحسن قادری قمر بستوی (تلمیذ: مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمہ)

یاد آیا ترا سراپا پھر — درد میں کر گیا اضافہ پھر
چشم بے تاب ڈھونڈتی ہی رہی — نہ نظر آیا تیرا چہرہ پھر
ذکر تیرا لبوں پہ باقی ہے — دل میں احساس تیرا جاگا پھر
تم چلے تو گئے جہاں سے مگر — تیری یادوں نے دل کو گھیرا پھر
ہیں بہت صاحبان علم وحکم — آنکھ نے پر نہ تجھ سا دیکھا پھر
دل نشین وہ تمہارا طرز سخن — بعد تیرے نہ ہم نے پایا پھر
فن تدریس کے تھے تم شہ کار — سخت ہے تم سا کوئی ملنا پھر
باب شفقت کھلا رکھے ہر دم — کون باقی ہے اور تم سا پھر
وہ در آبدار لفظ دعا — سننے میں اب کبھی نہ آیا پھر
علم کی بھیک کچھ عطا کردو — دست امید میرا پھیلا پھر
ایک دریوزہ گر ترا ہے قمرؔ — کچھ عطا کردو اس کو صدقہ پھر

معروضات: بھارت ایک جمہوری اور کثیر مذہبی ملک ہے۔ سیاسی ورفاہی امور کے واسطے مختلف المذاہب اہل وطن کا مشترکہ اجلاس یا پروگرام ہوسکتا ہے۔ مشترکہ پلیٹ فارم پر مذہبی امور ہرگز انجام نہ دیئے جائیں، کیوں کہ وہاں مختلف مذاہب کے لوگ ہوتے ہیں۔

دین کے تحفظ کے ساتھ اہل دین کے تحفظ کی بھی فکر کی جائے۔ قرآن مقدس میں نماز خوف کا طریقہ ارشاد ہوا کہ ایک گروپ نماز میں شریک ہو، اور ایک گروپ ہتھیار بند ہوکر دشمنوں پر نظر رکھے، یعنی عبادت وبندگی دشمن سے حفاظت کا ذریعہ نہیں، پس حفاظت کے خاص اسباب کو اختیار کرنا ہوگا۔ آج ملک کے غلط عناصر سے ہر وقت قوم مسلم کو خطرہ ہے تو ہمیں اپنے تحفظ کے اسباب وذرائع کو اپنانا ہوگا۔

مدارس اسلامیہ میں عصری علوم بھی شامل نصاب کیے جائیں، تاکہ فارغین سیاسی ومعاشی محاذ پر بھی قوم کی قیادت کرسکیں: (مدیر)

Owner, Publisher & Printer : MD Kumail
Chief Editor : Faizanul Mustafa Qadri

PAIGAM E SHARIAT MONTHLY
Vol. 05 ISSUE 41 FEBRUARY 2020

R.N.I. NO. DELURD/2015/65657
Publishing Date : 20 Same Month
Postal Registration : DL (DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages With Title Cover
Weight : 95 grams
Posting Date : 21 & 22

Printed at : M/s Moni Printing Press 3622 Katra Dina Baig, Gali Hamdard, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from : H.No. 422, 1st Floor, Gali Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006

مکتبہ رضائے مصطفیٰ دہلی

AMJADI BOOK DEPOT
Madhunan Road, Ghosi, Distt. Mau (U.P.)

MAKTABA RAZA-E-MUSTAFA
422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006

Contact Number : 8090753792, 8957612816

تعداد	اسمائے کتب	قیمت
	ہماری مطبوعات	
	کنز الایمان	200 نیٹ
	قرآن آرٹ 3 نمبر	200 نیٹ
	قرآن سادہ 3 نمبر	150 نیٹ
	دلائل الخیرات	90 نیٹ
	پاکستانی پنج سورہ	70 نیٹ
	مصنف اعظم نمبر (امام احمد رضا کے ۳۰ علوم پر مشتمل)	800
	امام احمد رضا اور علم کلام (الٰہیات)	250
	امام احمد رضا اور علم کلام (نبوات)	زیر طبع
	امام احمد رضا اور علم کلام (سمعیات)	زیر طبع
	حیات صدر الشریعہ	60
	علم حدیث میں صدر الشریعہ کی تحقیقات	100
	تذکرہ تاج الشریعہ	60
	تنویر الآثار	70
	فتاویٰ امجدیہ (چار جلد مکمل)	1600
	آسان تقریریں (اول)	40
	آسان تقریریں (دوم)	40
	دلوں انگیز تقریریں (اول)	120
	دلوں انگیز تقریریں (دوم)	زیر طبع
	کتاب الحج	70
	اسلامی اخلاق و آداب	170
	جنتی زیور (اردو)	200
	جنتی زیور (ہندی)	200
	سنی بہشتی زیور	200
	سیرت مصطفیٰ	240
	قانون شریعت مکمل	220
	جاء الحق	250
	احکام شریعت	180

تعداد	اسمائے کتب	قیمت
	عزیز القاری	300
	قرأت کورس مکمل	180
	التبشیر برد التحذیر	60
	شمع شبستان رضا	200
	اعمال رضا	180
	گمراہ فرقوں کے عقائد	80
	ہماری نئی مطبوعات	
	شرح نور الانوار	زیر طبع
	شرح اصول الشاشی	زیر طبع
	شرح مختصر القدوری	زیر طبع
	شرح شرح جامی	زیر طبع
	شرح موطا امام محمد	زیر طبع
	شرح تلخیص المفتاح	زیر طبع
	میزان الحسن شرح اردو ملا حسن	100
	طیب الاماثی شرح تنویر الآثار	100
	درس بخاری (مکمل دو جلدیں)	800
	کشف الاستار (شرح معانی الآثار) مکمل ۲ جلدیں	500
	تفہیمات (شرح مرقات)	160
	تفہیم الکبریٰ (شرح کبریٰ)	60
	مصباح التنویر (شرح نحو میر)	50
	اسلامی معلومات	60
	خطبات محدث کبیر (مکمل)	230
	فارسی کی پہلی	20
	فارسی کی دوسری	25
	کتاب المقاصد	40
	تسہیل المصادر	40
	فیض الادب (اول)	25
	فیض الادب (دوم)	30